دوسرے عقائد و خیالات پر نہایت فلسفیانہ انداز مین نقد و تبصرہ کیا گیا ہے، ترجمہ سلیس اور شگفتہ ہے،

تلقینِ حق از جناب پروفیسر سید نواب علی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت ۱۰/ پتہ ادارہ تعلیمات اسلامی نمبر ۱۳۸، امین آباد پارک لکھنؤ،

فاضل مصنف کی نگاہ قدیم مذاہب اور ان کے صحیفون پر بڑی گہری اور وسیع ہے، اس رسالہ مین انھون نے مختلف عقائد کے بارہ مین ان مذاہب کی تعلیمات اور بعید از عقل افسانون کے مقابلہ مین اسلام کے عقائد و تعلیمات، اس کی توحید، دوسرے صحیفون کے مقابلہ مین کلام مجید کی خصوصیات وحی، کلام مجید کے ممتاز اور نمایان مضامین احکام، اہل مذاہب سے مناظرہ، گذشتہ امتون کے سبق آموز حالات عجائبات عالم مین تفکر کی دعوت اور ان سے استدلال حیات بعد الممات اور جزا و سزا وغیرہ اسلام کے ارکان خمسہ، توحید، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی حکمتون کو ایسے دلنشین انداز مین بیان کیا ہے، جن سے دوسرے مذاہب کی تعلیمات کے مقابلہ مین اسلام کی تعلیمات کی سادگی دلنشینی صداقت اور برتری کا اندازہ ہوتا ہے، گو یہ کتاب طالب علمون کے لئے لکھی گئی ہے، لیکن ہر شخص کے مطالعہ کے لائق ہے،

سفینہ جناب شفیق جونپوری تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۴۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت اوسط قیمت: عمر پتہ نسیم بک ڈپو، و انوار بک ڈپو، لکھنؤ، و سکریٹری بزم ادب جونپور،

مصنف کے کلام کی شہرت محتاج تعارف نہین اُن کے کلام کے کئی مجموعے چھپ کر مقبول ہو چکے ہین، سفینہ نیا مجموعہ ہے، اس مین غزلیات کے علاوہ مذہبی اخلاقی اور قومی نظمین بھی ہین، اور ان سب مین کلام کی پختگی، خیالات کی پاکیزگی، زبان کی نفاست اور انداز بیان کی دل آویزی نمایان ہے امید ہے کہ یہ مجموعہ اصحاب ذوق مین مقبول ہوگا،

جلد ۶۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۸ء عدد ۲

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۸۲-۸۴

مقالات

اسلامی طب کی مختصر تاریخ	مولانا عبد السلام ندوی	۸۵-۹۹
اشرف علی فغانؔ	جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب بی علیگ)	۱۰۰-۱۱۴
اسلام کا معاشیاتی نظام	جناب مولوی حیدر زمان صاحب صدیقی فاضل دیوبند	۱۱۵-۱۲۹
کتب خانۂ ٹونک کے بعض نادر مخطوطات	جناب مولوی ابو الطیب عبد الرشید صاحب لاہور	۱۳۰-۱۴۲

استفسار و جواب

شاہ نعمت اللہ ولی اور ان کا قصیدۂ پیشین گوئی،	"س"	۱۴۳-۱۴۸

وفیات

ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم	"م"	۱۴۹-۱۵۰

ادبیات

آہ! داعی امن	جناب یحییٰ اعظمی	۱۵۱-۱۵۲
محسنِ انسانیت	جناب مولوی اقبال احمد خانصاحب سہیل	۱۵۳
مطبوعات جدیدہ	"م"	۱۵۴-۱۶۰

شذرات

فدائے انسانیت گاندھی!

مصائب اور تھے پر دل کا جانا

عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

واحسرتا کہ آج قلم کو امن و سلامتی کے اس داعی، عدل و انصاف کے اُس علمبردار، اور اخلاص و عمل کے اُس پیکر کا ماتم کرنا پڑا جو ساری عمر ملک و قوم کا غمگسار رہا، اور اس کی راہ میں جانِ عزیز تک قربان کر دی اور کس قدر عبرت کا مقام ہے، کہ اسی بدقسمت ملک و قوم کے ایک فرد کے ہاتھوں اس کے محسنِ اعظم کی شمعِ حیات گُل ہوئی، جس کی عزت و سربلندی کے لئے اُس نے اپنی پوری عمر صرف کر دی، اور اس کو زمین کی پستی سے اُٹھا کر آسمان کی بلندی تک پہنچا دیا، لیکن دنیا کے بہت سے اکابر اور محسنینِ انسانیت اس درجۂ عظمٰی پر سرفراز ہوئے، پھر یہ جلیل القدر انسان اس خلعتِ امتیاز سے کیوں محروم رہتا، یہ تو اس کی عظمت و جلالت کی آخری اور سب سے بڑی سند ہے،

مادیت کے اس تاریک دور میں جب کہ مہذب انسان انسانیت کی بربادی کے درپے، ایٹم بم کی تیاری میں مشغول، ساری دنیا آگ و خون کے سمندر میں غرق اور امن و سلامتی کو ترستی ہے، اس محسن انسانیت نے دنیا کو الفت و محبت اور اخوت و مساوات کا

پیام دیا! اور اخلاق و روحانیت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، بے تیغ و تفنگ کے اخلاقی قوت سے فتح حاصل کرنا، اور دلوں کو مسخر کرنا سکھایا، اور عملاً ثابت کر کے دکھا دیا، کہ دنیا میں اصل طاقت اسلحہ کی نہیں بلکہ اخلاق کی ہے، اور اسی کے ذریعہ دنیا میں ہندوستان کا سر اونچا کیا، اوس نے مکر و فریب کی سیاست میں سچائی کی روح پھونکی، وہ مظلوموں کا حامی، غریبوں کا سہارا، اور بے نواؤں کا آسرا تھا، اس نے غریب بن کر غریبوں کی خدمت کی، اور غربت ہی میں اس دنیا سے سدھارا، اُس نے نیکی اور سچائی کے لئے جان دی، عدل و انصاف کے لئے جان دی، اخلاق و شرافت کے لئے جان دی، اس لئے اس کی موت درحقیقت ہندوستان کی عزت و ناموس اور اس کے وقار و عظمت کی موت، اور عالم انسانیت کا حادثہ ہے،

اس کی زندگی میں ہندوستان کی سیاست میں بڑے بڑے انقلاب آئے، نفرت و عداوت کی آندھیاں چلیں، وحشت و درندگی کے طوفان اُٹھے، سفاکی اور خونخواری کے پہاڑ ٹوٹے لیکن یہ کوہِ وقار اپنی جگہ پر قائم رہا، اور کوئی قوت اسے ہلا نہ سکی، اس استقلال میں جان تک دیدی اور مر کر ثابت کر دیا کہ وہ کسی خاص فرقہ و قوم کا نہیں بلکہ پورے ہندوستان کا لیڈر تھا،

اس لحاظ سے وہ خوش نصیب تھا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے آزادی کا بیج بویا، اور اس کے نازک پودے کو سیاست کے طوفانی حوادث سے بچا کر پروان چڑھایا، لیکن یہ کتنے حسرت و اندوہ کا مقام ہے، کہ جب اوس کے برگ و بار لانے کا وقت آیا تو باغبان خود اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور اپنے چمن کی بہار نہ دیکھ سکا، ابھی تو آزادی کا صرف دروازہ کھلا تھا، اصل منزلِ مقصود دور تھی کہ کاروانِ آزادی کا سالار خود کوچ کر گیا، آزادی ملتے ہی نفرت و عداوت کی ایسی آگ بھڑکی جس نے

ہندوستان کے حاصل اور اصل خرمن ہی کو جلا کر خاکستر کر دیا، یہ ہندوستان کی پیشانی پر ایسا کلنک کا ٹیکہ ہے جو مٹائے نہ مٹے گا، لیکن جلنے والا اس جہان سے سرخرو اٹھا، اور دنیا مین ہمیشہ کے لئے نیک نام چھوڑ گیا،

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یہ سنت اللہ ہے کہ سچی قربانی کبھی رائگان نہین جاتی، قربانی کرنے والے کا مادی وجود تو ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کا نصب العین ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتا ہے، اور جو روح زندگی نہ پیدا کر سکی تھی وہ موت پیدا کر دیتی ہے، دنیا کی تاریخ اس کی شاہد ہے، ہندوستان کے فدائی اعظم نے اُس کے لئے سب سے بڑی قربانی پیش کی ہے، یہ اپنا اثر دکھا کر رہے گی، اور ہندوستان کا چمن اس کے خون کی آبیاری سے لہلہائے گا،

اگر ہماری عقلون پر پردے نہین پڑ گئے ہین، تو گاندھی کی موت ہندوستان کی زندگی بن سکتی ہے، اس وقت بلا تفریق مذہب و ملت ہر ہندوستانی اوس کی یاد مین دلفگار، اور تلافی مافات کے لئے بے قرار ہے، ان جذبات سے اس کے مشن کی تکمیل کا کام لیا جا سکتا ہے، گاندھی کی سب سے بڑی محبت اور سب سے بڑی یادگار یہی ہے کہ اس مشن کو مقصد بنا لیا جائے یہی امن و سلامتی کی راہ اور ہندوستان کی فلاح و ترقی کا صحیح راستہ ہے، اور اسی سے اس کی روح مسرور ہوگی، اگر ہم اتنا بھی نہ کر سکے، تو ہماری محبت کے سارے دعوے باطل ہین،

مقالات

اسلامی طب کی مختصر تاریخ

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۲)

مشرق یعنی عراق و بغداد مین اسلامی طب کو جو ترقیان ہوئین، یہ اُن کی اجمالی تاریخ ہے لیکن اسلام کی ابتدائی دو صدیون تک مغرب یعنی اندلس مین کوئی مسلمان طبیب نہین پیدا ہوا، البتہ تیسری صدی کے آغاز مین سب سے پہلے جس شخص نے اہلِ مغرب کو طب و فلسفہ سے آشنا کیا، وہ ایک بغدادی طبیب اسحاق بن عمران تھا جس کو زیادۃ اللہ بن اغلب التمیمی نے اپنے دورِ حکومت (۲۰۱ھ - ۲۲۳ھ) مین بغداد سے بلوایا تھا، اور اوس نے ایک مدت تک قیروان مین قیام کر کے نہایت کامیابی کے ساتھ مطب کیا تھا[1]،

اسحاق بن عمران کا ایک شاگرد اسحاق بن سلیمان اسرائیلی تھا، اور اس کو بھی زیادۃ اللہ بن الاغلب تمیمی نے معقول زادِ راہ دیکر مصر سے بلوایا، اور اس نے قیروان مین قیام کر کے اسحاق بن عمران کی شاگردی کی، اور طویل عمر پا کر تقریباً ۳۲۰ھ مین وفات پائی[2]، لیکن اب تک مغرب مین طب و فلسفہ کی عام اشاعت نہین ہوئی تھی، اس لئے جو شخص ان علوم مین مہارت حاصل کرنا چاہتا تھا، اوس کو مجبوراً مشرق کا سفر کرنا پڑتا تھا، چنانچہ اس نوع سے سب سے پہلے دو بھائیون یعنی احمد اور عمر نے ناصر کے دورِ سلطنت مین ۳۳۰ھ مین مشرق کا سفر کیا،

[1] طبقات الاطباء جلد دوم ص ۳۶
[2] ایضاً ص ۳۷

اور وہان دس سال تک مقیم رہے پھر بغداد مین آئے اور ثابت بن سنان بن ثابت بن قرہ حاجی سے جالینوس کی کتابین پڑھین اور خلیفہ مستنصر باللہ کے زمانہ مین ۳۵۱ھ مین پلٹ کر اندلس آئے، اور ان کے دربار مین طبی خدمت پر مامور ہوئے، اور نہایت وسیع پیمانے پر طبی خدمات انجام دیتے رہے، احمد کی نسبت ابن جلجل نے لکھا ہے، کہ بارہ لڑکے اس کے ملازم تھے، اور اسکے سامنے شربت اور معجون تیار کرتے تھے، اور وہ مستنصر کی اجازت سے ان کو غربا اور مریضون کو تقسیم کرتا تھا،[۱]

اسی زمانہ مین ایک اور طبیب محمد بن عبدون الجبلی نے ۳۴۷ھ مین مشرق کا سفر کیا، اور بصرہ فسطاط اور مصر مین قیام کرکے فن طب مین مہارت حاصل کی اور سنہ ۳۶۰ھ مین اندلس مین واپس آیا، اور حکم کے دربار مین طبی خدمت پر مامور ہوا،[۲]

ایک اور طبیب ابو الحکم عمرو بن عبد الرحمان بن احمد بن علی الکرمانی المتوفی ۴۵۸ھ نے بھی مشرق کا سفر کیا، اور حران مین قیام کرکے طب اور ہندسہ کی تعلیم حاصل کی، اور وہان سے پلٹ کر آیا، تو سرقسطہ مین قیام کیا، وہ معالجات کے علاوہ سرجری مین بھی کمال رکھتا تھا،[۳]

مغرب مین خاندان زہر ایک مستقل طبی خاندان تھا جس مین ایک مدت تک مسلسل بڑے بڑے اطبا پیدا ہوتے رہے، اس خاندان مین سب سے پہلے ابو مروان عبد الملک نے طبی حیثیت سے شہرت حاصل کی، اوس نے مشرق کا سفر کیا، اور وہان ایک طویل مدت تک مطب کرتا رہا، اور پہلے بغداد کا پھر مصر کا، پھر قیروان کا رئیس الاطبا مقرر ہوا، مشرق سے پلٹ کر اندلس آیا اور شہر دانیہ مین قیام کیا، پھر دانیہ سے منتقل ہوکر اشبیلیہ مین قیام کیا اور ابن ابی اصیبعہ کی روایت کے مطابق وہین وفات پائی،[۴] لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک مدت تک اگرچہ مغرب طبی معاملات مین مشرق کا زیر بار احسان رہا، تاہم وہان پانچوین صدی تک شیخ بو علی سینا کی طبی تصنیفات کو حسن قبول حاصل نہین ہوا، طب مین شیخ کی سب سے مقبول و مشہور کتاب قانون ہے، لیکن اس کا نسخہ سب سے

[۱] طبقات الاطبا جلد دوم صفحہ [illegible]، [۲] [illegible] صفحہ [illegible]، [۳] [illegible] صفحہ [illegible]، [۴] [illegible] صفحہ [illegible]، وابن خلکان جلد ۲ صفحہ [illegible]،

پہلے خاندان زہر کے ایک مشہور طبیب ابو العلاء زہر المتوفی ۵۲۵ھ کے زمانہ مین مغرب مین پہنچا جس کو ایک تاجر عراق سے اندلس مین لایا تھا، اور چونکہ اس سے اس کی بڑی تعریف کی گئی تھی، اس لئے اس نے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے اوس کو ابو العلاء زہر کی خدمت مین تحفۃً پیش کیا، لیکن ابو العلاء نے اس کو سخت ناپسند کیا، اور اس کو اپنے کتب خانے مین داخل کرنے کے قابل نہین سمجھا، بلکہ اس کے حاشیے کے سادہ کاغذ کو کاٹ کاٹ کر اس پر نسخے لکھنے شروع کر دیے،[۱]

اس خاندان کی بدولت مغرب مین فن طب کو بہت زیادہ ترقی ہوئی، مشرق مین اگرچہ اس فن نے مغرب سے پہلے ترقی کی تھی، تاہم مشرق مین اب تک کوئی عورت طبیب نہین ہوئی تھی لیکن خاندان زہر کی بعض عورتین بھی طب کی ماہر تھین، اور عورتون کا خاص طور پر علاج کرتی تھین، چنانچہ اس خاندان کے ایک مشہور طبیب حفید ابو بکر بن زہر کی بہن، اور اس کی بھانجی بھی طبیب تھین، اور خلیفہ منصور کے گھر کی عورتون کا علاج کرتی تھین، اور اوس کے محل مین جب کسی بچے کی مان کا انتقال ہو جاتا تھا، تو اس کی پرورش کا انتظام بھی انہی دونون کے متعلق ہوتا تھا،[۲]

مغربی اطبار کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ اُن کو مفرد دواؤن کی تحقیقات سے خاص طور پر دلچسپی تھی، اور اطبائے شام و بغداد نے اس فن کو جس قدر ترقی دی تھی، اطبائے مغرب نے اس کو اس سے بہت زیادہ ترقی دی، ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ ادویہ مفردہ کے نام و خواص پر یونان کے ایک حکیم دیسقوریدس نے ایک کتاب لکھی تھی، جس کا ترجمہ جعفر متوکل کے زمانہ مین اصطفن بن بسیل نے یونانی زبان سے عربی مین کیا تھا، لیکن اصطفن نے جن یونانی دواؤن کے نام عربی زبان مین پائے، ان کا ترجمہ تو عربی مین کر دیا، لیکن عربی مین جن یونانی دواون کے نام اوس کو معلوم نہ تھے، ان کو بعینہ یونانی زبان مین رہنے دیا تھا، اصطفن کا یہی ناقص ترجمہ اندلس مین پہنچا، اور لوگ اس کی مشہور دواؤن سے ناصر عبد الرحمن بن محمد کے زمانہ تک جم

[۱] طبقات الاطبا جلد دوم ص ۶۵، [۲] رص ۷۰،

اندلس کا بادشاہ تھا، فائدہ اٹھاتے رہے، اس کے بعد ارمانوس شاہ قسطنطنیہ نے ۳۳۷ھ مین ناصر کو ایک خط لکھا، او خط کے ساتھ بہت سے قیمتی ہدیے بھیجے، جن مین ایک دیسقوریدس کی کتاب بھی تھی، اور اس مین جڑی بوٹیون کی تصویرین بھی بنی ہوئی تھین، لیکن چونکہ یہ کتاب یونانی زبان مین تھی، اس لئے ارمانوس نے ناصر کو لکھا کہ اس کتاب سے بجز ایک ایسے شخص کی مدد کے جو یونانی زبان اور ان دواؤن سے واقف ہو فائدہ نہین اٹھایا جاسکتا، اگر آپ کے ملک مین اس قسم کا کوئی شخص ہو تو آپ اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہین لیکن بدقسمتی سے قرطبہ کے عیسائیون مین کوئی شخص ایسا نہ تھا، جو قدیم یونانی زبان سے واقف ہو، اس لئے ناصر نے ارمانوس کو لکھا کہ ایک ایسے شخص کو بھیجو جو یونانی اور لاطینی زبان سے واقف ہو تاکہ وہ چند آدمیون کو ان کی تعلیم دیسکے، اور وہ ترجمہ کرنے کے قابل ہوجائین، چنانچہ اوس نے نقولا راہب کو بھیجدیا، اور وہ قرطبہ مین ۳۴۰ھ مین پہنچا، اس وقت قرطبہ مین اطبا کی ایک ایسی جماعت موجود تھی، جو دیسقوریدس کی کتاب کی ان جڑی بوٹیون کی تحقیقات کرنی چاہتی تھی، جن کے نام معلوم نہ تھے، ان مین اس کا سب سے زیادہ شائق حسدای بن بشروط اسرائیلی تھا، اور نقولا راہب کو اس کے ساتھ خاص تعلق تھا، اور اس نے اس کتاب کی نامعلوم الاسم جڑی بوٹیون کی تفسیر کی، اس کے علاوہ محمد المعروف بالشجار، بسباسی، ابو عثمان الخزاز الملقب بالیابسہ، محمد بن سعید الطبیب، عبدالرحمن بن اسحق بن ہیثم، اور ابو عبداللہ الصقلی، ایک ہی زمانے مین نقولا راہب کے ساتھ سرگرم تحقیقات تھے، سلیمان بن جلجل اندلسی کو بھی ان مفرد دواؤن کی تحقیقات کا نہایت شوق تھا، اور وہ مستنصر حکم کے زمانے مین ان سب کا شریک صحبت رہ چکا تھا، اور ان سب کی تحقیقات سے جب وہ سب دوائین معلوم ہوگئین جو شہر قرطبہ مین موجود تھین، اور ان کے نام کا تلفظ صحیح ہوگیا، تو سلیمان بن جلجل نے ۳۷۲ھ مین ہشام بن الحکم المؤید باللہ کے زمانہ مین دیسقوریدس کی کتاب کی مفرد دواؤن کے نامون کی تفسیر کی، اس کے ساتھ خود ایک رسالہ لکھا جس مین ان دواؤن کے نامون کا اضافہ کیا، جو طب مین مستعمل ہین، لیکن دیسقوریدس نے اپنی کتاب مین ان کا ذکر نہین کیا تھا، کیونکہ یا تو اوس نے ان کو

دیکھا ہی نہین تھا، یا وہ اس کے زمانہ مین مستعمل نہ تھین[1]، سلیمان بن جلجل اور اس کے ہمعصر اطبا کے علاوہ اور بھی بہت سے اندلسی اطبا، مثلاً ابن وافد، ابن سمجون، البکری، غافقی، شریف اور ابو العباس بن رومیہ ہین جن کو ادویہ مفردہ کی تحقیقات سے نہایت دلچسپی تھی، اور انھون نے اس سلسلے مین کارہاے نمایان انجام دیے ہین، چنانچہ اُن کے متعلق علامہ ابن ابی اصیبعہ نے جو کچھ لکھا ہے، ہم بہ ترتیب اس کا خلاصہ اس موقع پر درج کرتے ہین:-

ابن وافد ذیحجہ ۳۸۷ھ مین پیدا ہوا، اور ۴۶۷ھ تک زندہ تھا، اوس نے ادویہ مفردہ کے علم مین مہارت حاصل کی، اور اتنی دواؤن کے نام لکھے کہ اس کے زمانہ مین کسی نے نہین لکھے تھے، اوس نے اس فن مین ایک بے نظیر کتاب لکھی، اور ادویہ مفردہ کے متعلق دیسقوریدس اور جالینوس نے جو کتابین لکھی تھین ان سب کو اس کتاب مین جمع کردیا، اوس نے ادویہ مفردہ کے نامون کی تصحیح، اُن کے اوصاف، قوی اور درجات کی تحدید مین ۲۰ سال صرف کئے، اور اس جانفشانی کے بعد کتاب اس کی خواہش کے مطابق تیار ہوئی[2]

ابن سمجون ادویہ مفردہ کے قوی و افعال کے علم مین ممتاز تھا، اور ادویہ مفردہ کی تحقیقات مین اس کی کتاب اپنی خوبی کے لحاظ سے مشہور تھی،

اوس نے اس کتاب کے لکھنے مین بڑی جانفشانی کی تھی، اور ادویہ مفردہ کے متعلق قدما کی بہت سی رائین جمع کردی تھین، اس نے یہ کتاب منصور الحاجب محمد بن ابی عامر المتوفی ۳۹۲ھ کے زمانہ مین لکھی تھی[3]

بکری ادویہ مفردہ، اُن کے قوی و منافع اور نامون کے علم مین ممتاز تھا، اور اس فن مین اعیان النبات والشجریات الاندلسیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی[4]

غافقی ادویہ مفردہ کے قوی، منافع، خواص اور ان کے نامون کا اپنے زمانے مین بہت بڑا عالم تھا،

---

[1] طبقات الاطبا جلد دوم ص ۴۸،۴۰ [2] ص ۴۹ [3] ص ۵۲ [4] ص ۵۲

اور ادویہ مفردہ کے متعلق اوس کی کتاب اپنا نظیر نہین رکھتی، دیسقوریدس اور جالینوس نے ادویہ مفردہ کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اوس نے اس کتاب مین اوس کو مختصر طور پر جمع کر دیا ہے، پھر ان کے بعد ادویہ مفردہ کے متعلق متاخرین نے جو نئی رائیں قائم کی تھیں، یا یہ کہ ہر طبیب نے الگ الگ جن دواؤن کا پتہ لگایا تھا ان کا بیان کیا ہے، اس بنا پر اوس کی کتاب ادویہ مفردہ کے متعلق تمام اطبار کے اقوال کا مجموعہ تھی۔[1]

شریف ادویہ مفردہ کے قوی منافع اور مناسبت کا عالم تھا، اور اس نے اس فن مین ایک کتاب لکھی تھی،

مغرب کے ان اطبار مین جنھون نے علم النباتات کی تحقیقات کو اپنا خاص موضوع بنا لیا تھا، دو شخصون نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی، ایک ابو العباس بن رومیہ جو اشبیلیہ کا رہنے والا، اور علم النباتات ان کے اشخاص، اُن کے قوی، و منافع، اُن کے مختلف اوصاف اور ان کے مقامات کے اختلاف کا بڑا ماہر تھا، وہ ۶۱۳ھ مین دیارِ مصر مین آیا، اور مصر و شام و عراق مین دو سال تک قیام کر کے اُن جڑی بوٹیوں کو جو مغرب مین نہین ہوتی تھین، یہان کے شہرون مین خود ان مقامات مین دیکھا، جہان وہ اُگتی تھین، ملک العادل ابو بکر بن ایوب نے اوس کی شہرت سنی تو اس کو اسکندریہ سے قاہرہ مین بلا کر اس کا وظیفہ مقرر کر دیا، اور مستقل قیام کی خواہش کی، اوس نے ایک مدت تک اس کے یہان قیام کیا، لیکن چونکہ اس سفر کا اصلی مقصد فریضۂ حج کا ادا کرنا تھا، اس لئے حج کر کے مغرب کو واپس گیا، اور اشبیلیہ مین قیام کیا،[2]

دوسرا ضیاء الدین ابن بیطار جو علم النباتات کا بڑا ماہر تھا، اور جڑی بوٹیون کی تحقیقات کے لئے یونان و روم کے اکثر شہرون کا سفر کیا تھا، اور جو لوگ اس فن کے ماہر تھے، اُن سے مل کر جڑی بوٹیون کا علم حاصل کیا تھا، اور یہ جڑی بوٹیان جن مقامات مین پیدا ہوتی تھین، اون مقامات مین بذاتِ خود جا کر ان کا معائنہ کیا تھا، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ مین پہلی بار اوس سے ۶۳۳ھ مین دمشق مین ملا، اور دمشق کے باہر اس کے ساتھ جا کر بہت سی جڑی بوٹیون کو ان کے نشو و نما کے مقام مین دیکھا، اور اس نے دیسقوریدس

[1] طبقات الاطباء جلد دوم ص ۵۲، [2] طبقات الاطباء جلد دوم ص ۸۱،

کی کتاب کی دواؤن کے نامون کی جو تفسیر کی تھی، اوس کو خود اس سے پڑھا، اور اس طریقہ سے مجھ کو اس کے تبحرِ علمی کا حال معلوم ہوا، ادویۂ مفردہ کے متعلق دیسقوریدس، جالینوس اور غافقی وغیرہ نے جو کتابین تصنیف کی تھین، وہ ہمارے سامنے رکھی جاتی تھین، تو وہ سب سے پہلے ہر دوا کے وہ یونانی نام اور وہ افعال و خواص بتلاتا تھا جس کو دیسقوریدس نے اپنی کتاب مین لکھا تھا، پھر اوس کے وہ خواص و افعال بتاتا تھا جس کو جالینوس نے بتایا تھا، پھر متاخرین کی تحقیقات اور اختلافات کو بیان کرتا تھا اوس کے بعد مین اوس کے ساتھ ان کتابون کا مطالعہ کرتا تھا، تو معلوم ہوتا تھا، کہ اس نے ان کتابون کی کوئی بات نہین چھوڑی ہے، سب سے عجیب تر بات یہ تھی کہ وہ جب دوا کا ذکر کرتا تھا، اس کے متعلق متعین طور پر یہ بتا دیتا تھا، کہ اس کا نام دیسقوریدس اور جالینوس کی کتاب کی فلان فصل مین ہے، اور دواؤن کے سلسلۂ ترتیب مین اس کا فلان نمبر ہے، ایک ماہر علم النباتات کی حیثیت سے اوس نے شہرت حاصل کی، تو ملک الکامل محمد بن ابی بکر بن ایوب نے اوس کو ملک مصر کے تمام دوا فروشون اور عطارون کا افسرِ اعلیٰ مقرر کر دیا، جس کو رئیس العشابین کہتے تھے،[1]

اس تمام تفصیل سے جو نتیجہ نکل سکتا ہے، وہ یہ ہے،

(۱) اسلام سے پہلے طب کے چار مرکز تھے، جندیسا پور، حران، اسکندریہ اور ہندوستان، بغداد مین مسلمانون نے ان چارون مرکزون کو ایک جگہ جمع کر لیا، اور سب سے یکسان فائدہ اٹھایا، اس لئے اسلامی طب سب سے زیادہ جامع و مکمل ہو گئی،

(۲) غالباً مسلمانون سے پہلے ہر ملک مین صرف وہی دوائین استعمال کی جاتی تھین، جو اس ملک مین پیدا ہوتی تھین، لیکن مسلمانون نے ہر ملک کی دواؤن سے فائدہ اٹھایا، سب سے پہلے برامکہ نے ہندوستان کی جڑی بوٹیان بغداد مین منگوائین، پھر رشید الدین صوری نے دمشق کی جڑی بوٹیون کی تحقیقات کی، اس کے بعد اطباء مغرب مین ابن بیطار وغیرہ نے یونان و روم وغیرہ کی جڑی بوٹیون کا پتہ لگایا، اس لئے

[1] طبقات الاطباء جلد دوم ص ۱۳۳،

اسلامی طب نے ہر ملک کی دواؤن سے فائدہ اٹھایا، اور وہ تمام دنیا کے علم الادویہ کا خلاصہ عطر اور نچوڑ بن گیا، چنانچہ اسلامی طب مین جو دوائین مستعمل ہین، اُن کے نامون پر سرسری نظر ڈال لینے سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے، قسط ہندی، عود ہندی، ساذج ہندی، سنائے مکی، مصطگی رومی، آلوے بخارا، اجوائن خراسانی، تعلب مصری، نمک لاہوری، ریوند چینی، صبر سقوطری، عشبہ مغربی، زہر مہرہ خطائی، زیرہ کرمانی، گل ارمنی، گل مختوم، بورہ ارمنی، افتیمون رومی، عقیق یمنی، گلنار فارسی، تربد اکبرآبادی، اسگند رومی، صمغ عربی، انار قندھاری، گل بنفشہ کشمیری، مربّہ آملہ بنارسی وغیرہ کے نامون سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ طب اسلامی نے ہر ملک کی دواؤن سے فائدہ اٹھایا ہے، اور ہر ملک کی بہترین پیداوار سے دواؤن کا انتخاب کیا ہے،

مفردات کے بعد مرکبات کا درجہ ہے، اور اسلامی اطبار کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ انھون نے اس مین بھی کمال کا درجہ حاصل کرلیا تھا، احمد بن یونس کے حالات مین لکھا ہے کہ وہ شربت اور معجون بنانے مین کمال رکھتا تھا، اور ان کی تیاری کے لئے اس کے یہان ۱۲ ملازم تھے، جو ہمہ وقت اس کام مین مصروف رہتے تھے، اگرچہ اکثر اس قسم کے مرکبات امرار و سلاطین کے لئے تیار کئے جاتے تھے، لیکن اُس نے خلیفہ مستنصر سے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو غربا و مساکین اور عام مریضون کو بھی تقسیم کئے جائین، چنانچہ اوس نے اوس کی اجازت دی[1]، بعض اطبار صرف مرکبات سے علاج کرتے تھے، اور ان کا نسخہ کسی کو نہین بتاتے تھے، ایک امیر کو ضیق النفس کا عارضہ تھا، سلیمان ابوبکر بن باجہ نے ایک لعوق سے اس کا علاج کیا، اور وہ ایک ہی دن مین اچھا ہوگیا، وہ درد پشت کا علاج ایک گولی سے کرتا تھا، اور فوراً شفا ہوجاتی تھی، لیکن کسی کو ان کا نسخہ نہین بتاتا تھا[2]، خلیفہ منصور نے ادویہ مرکبہ کا گویا ایک مستقل کارخانہ قائم کردیا تھا، جس کے اہتمام کے لئے ایک خاص طبیب مقرر تھا[3]، وہ ادویہ مرکبہ کی تیاری مین خاص طور پر ابوجعفر بن غزال پر اعتماد کرتا تھا، اوس نے اپنے دور سلطنت مین شراب کی خرید و فروخت کی

[1] طبقات الاطبار جلد دوم ص ۴۲، [2] ر جلد دوم صفحہ ۴۳، [3] ر صفحہ ۷۹،

سخت ممانعت کردی تھی، لیکن اسی زمانے مین اوس نے ابوجعفر بن غزال کو تریاق کبیر کے بنانے کا حکم دیا جس کا ایک جزو شراب تھی، ابوجعفر نے اور تمام دوائین تو فراہم کرلین لیکن اس بندش کی وجہ سے شراب نہ مل سکی، اوس نے منصور کو اس کی اطلاع دی، تو اوس نے کہا کہ مین نے اس وقت تریاق کبیر کے بنانے کا حکم صرف اس غرض سے دیا تھا، تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ کسی کے یہان شراب موجود تو نہین ہے[1]،

ادویہ مرکبہ کا سب سے بڑا ماہر محمد بن احمد بن سعید تمیمی تھا، جس نے تریاق فاروقی مین بہت سی دواؤن کا اضافہ کرکے اس کو مکمل کیا تھا، اور بہت سے معجون، نلخلخے اور سفوف تیار کئے تھے[2]،

اطبائے مغرب نے اس فن مین جو مہارت حاصل کی تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے، کہ مشرق سے ایک طبیب قرطبہ مین آیا، جس نے ایک ایسی معجون تیار کی تھی، جس کی ایک خوراک پچاس اشرفیون مین فروخت کرتا تھا، اوس نے اس کے ذریعہ سے بڑی دولت کمائی، تو مغرب کے پانچ اطبار نے مل کر پچاس اشرفیان جمع کین، اور اس سے اس معجون کی ایک خوراک خریدی، اور سب نے اس مین سے تھوڑی تھوڑی مقدار لے کر سونگھا اور چکھنا شروع کیا، اور اس طرح اس کے جو اجزار معلوم ہوسکے، اوس کو ہر ایک نے الگ الگ کاغذ پر لکھ لیا، پھر سب نے اپنی اپنی معلومات کو یکجا کرکے لکھا، اس کے بعد اُس مشرقی طبیب کے پاس گئے، اور اس واقعہ کو بیان کرکے کہا کہ ہم نے اس طریقہ سے اس معجون کے جن اجزار کا پتہ لگایا ہے، اگر وہ صحیح ہین، تو ہم اپنے تجربہ مین کامیاب ہوگئے، ورنہ آپ ہم کو اس کے علم مین اپنا شریک بنائیے"، اوس نے اُن کے نسخہ کو دیکھا تو کہا کہ معجون کے تمام اجزار کا پتہ تو تم نے صحیح لگایا ہے، البتہ اُن کے وزن مین غلطی کی ہے، اب اس نے اُن کو اپنا شریک بنالیا، اور اس معجون کا تمام اندلس مین رواج ہوگیا[3]،

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ فن کیمیا سازی کو جس کو ہوس پرستون نے کسب زر کا ذریعہ بنالیا، فن دوا سازی سے گہرا تعلق ہے، اور اغلب اوس کی ایجاد اس غرض سے ہوئی تھی کہ تحلیل و ترکیب

[1] طبقات الاطبار جلد دوم ص [illegible]، [2] ر صفحہ ۳، [3] ر ص ۴۲

کے ذریعہ سے دواؤن کے افعال وخواص کا پتہ لگایا جائے، اوران مین تغیرات پیداکرکے نئے نئے افعال وخواص پیدا کئے جائین،

جندیسا پور، حران، اور اسکندریہ مین طب کے جو مین اسکول قائم ہو گئے تھے، ان مین خاص طور پر مصر مین طب، کیمیا اور طبیعیات کو ترقی ہوئی تھی، اس لئے خالد بن یزید کو طب اور کیمیا کا شوق پیدا ہوا، تو اوس نے مصر کے اطبا وحکما کے ذریعہ سے طب اور کیمیا کی تعلیم حاصل کی، اوران کے ذریعہ سے اس فن کی کتابون کا ترجمہ کرایا، اس سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ مصر مین کیمیا اور طبیعیات کو اسی لیے بہت زیادہ ترقی ہوئی کہ ان کو علم طب کی ترقی سے خاص تعلق تھا مسلمانون مین فنِ طب کا بہت بڑا امام زکریا رازی تھا، جو بہت بڑا کیمیا ساز بھی تھا، اگرچہ اوس کے حالات مین سونا چاندی بنانے کے بہت سے قصے منقول ہین، لیکن غالبًا اوس نے فنِ دواسازی ہی کی تکمیل کے لئے اس کی طرف توجہ کی ہوگی،

جرجی زیدان نے اپنی کتاب آداب اللغۃ العربیہ کی دوسری جلد مین جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے، کہ کیمیا کو فنِ دواسازی سے گہرا تعلق ہے، وہ لکھتا ہے، کہ فنِ دواسازی، کیمیا، اور جڑی بوٹیون کی تحقیقات پر جو علم طب کی ایک شاخ ہے مسلمانون کا بہت بڑا احسان ہے، انھون نے خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور مین اس کی طرف توجہ کی، اور یورپین لوگون نے اپنی ترقی کے آخری دور مین فنِ دواسازی کی تاریخ کا مطالعہ کیا، تو ان کو معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اہلِ عرب ہی نے اس فن کی بنیادین قائم کین، اور سب سے پہلے دواؤن اور جڑی بوٹیون کو ہر جگہ سے جمع کیا، اور خود بہت سی نئی دوائین ایجاد کین، سب سے پہلے ان ہی نے موجودہ طرز پر قرابادینین لکھین، اور اسی طرز پر عطارون کی دکانین قائم کین، لیکن عطاری کے فن مین اُن کی ترقیون کی وجہ یہ ہے کہ انھون نے فنِ کیمیا و نباتات مین بہت زیادہ ترقی کر لی تھی، اور اس مین کوئی اختلاف نہین ہے کہ سب سے پہلے اہلِ عرب ہی نے اپنے تجربات سے جدید کیمیا سازی کی بنیاد قائم کی، اور سب سے پہلے خالد بن یزید نے اس فن کو عربی زبان مین اسکندریہ کے اسکول سے منتقل کیا[1]

اوس سے جعفر صادق المتوفی ۱۴۸ھ نے اس فن کو سیکھا، اس کے بعد جابر بن حیان، یعقوب کندی، اور ابوبکر رازی پیدا ہوئے، جنھون نے بہت سے مرکبات کیمیاوی ایجاد کئے، جن پر جدید فنِ کیمیا سازی کی بنیاد قائم ہے، اس کے بعد اہلِ عرب کے بہت سے کیمیاوی اکتشافات کا ذکر کیا ہے، اور ایک تصویر درج کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اہلِ عرب کیونکر جڑی بوٹیون کا عرق کھینچتے تھے، اس کے بعد لکھا ہے کہ اور بھی بہت سے کیمیاوی مرکبات و مکتشفات ہین، جو اگرچہ ہم کو معلوم نہ ہو سکے تاہم مؤرخین کے بیانات سے اُن کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ابن اثیر نے بعض دواؤن کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے اہلِ عرب نے ۲۶۹ھ کے واقعہ زنج مین کام لیا تھا، اوران دواؤن کی خاصیت یہ تھی، کہ جب وہ لکڑی پر لگا دی جاتی تھین، تو اُن پر آگ کا اثر نہین ہوتا تھا، لیکن اوس نے ان دواؤن کا نام نہین بتایا، کیمیا سازی کے سلسلے مین بارود بھی داخل ہے، جس کو مسلمانون نے بنایا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کیمیاوی اعمال مثلاً تقطیر، ترشیح تصعید، تبلور، اور تذویب ان کی ایجاد ہین،

مسلمانون کی طبی ترقی کی تاریخ مین یہ مسئلہ نہایت اہم ہے، کہ انھون نے علم تشریح مین کس قدر مہارت حاصل کی؟

یونانی اطبا مین جالینوس آدمیون اور بندرون کے اجسام کی تشریح کرتا تھا[1]، اور عباسی دور کے اطبا مین یوحنا بن ماسویہ نے بھی اس کی تقلید کرنی چاہی تھی، چنانچہ اس کے حال مین لکھا ہے کہ اوس نے ایک بندریا پال رکھی تھی جس کا نام اوس نے حماحم رکھا تھا، اور اوس کو اپنے پاس سے کبھی جدا کرنا پسند نہین کرتا تھا، ایک بار شاہ نوبہ نے خلیفہ معتصم کی خدمت مین بہت سے ہدیے بھیجے، جن مین ایک قوی ہیکل بندر بھی تھا، معتصم نے اس کو ایک غلام کے ذریعہ یوحنا کے پاس بھیجدیا، کہ اپنے بندریا حماحم کے ساتھ اس کی شادی کردو، یوحنا کو یہ بات ناگوار ہوئی، اور اوس نے غلام سے کہا کہ امیر المومنین سے کہدو کہ مین نے اس بندریا کو اس مقصد کے لئے نہین پالا ہے جو امیر المومنین کے خیال مین ہے، بلکہ مین اس کے اعضاء کی تشریح کرکے

[1] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۵۵

جالینوس کی طرح اس موضوع پر ایک کتاب لکھنا چاہتا تھا، لیکن چونکہ یہ بندر نہایت لاغر تھی، اور اس کے عروق اور اوتار اور اعصاب نہایت باریک تھے، اس لئے میرا خیال تھا کہ اس کی تشریح سے ان کا حال واضح طور پر نہ معلوم ہو سکے گا، اسی غرض سے مین نے اوس کو چھوڑ رکھا تھا کہ وہ بڑی ہو کر فربہ ہو جائے لیکن جب یہ قوی ہیکل بندر مجھ کو مل گیا ہے، تو اب مین امیر المومنین کے لئے اس فن مین ایک ایسی کتاب لکھون گا کہ اب تک اسلام مین ایسی کتاب نہین لکھی گئی ہے، چنانچہ اوس نے اس بندر کی تشریح کر کے اس موضوع پر ایک ایسی کتاب لکھدی جس کو اوس کے دوستون اور دشمنون دونون نے پسند کیا،[1]

قفطی نے اخبار الحکما رمین اس واقعہ کا ذکر نہین کیا ہے، لیکن اوس نے پہلے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نہایت خوش خلق اور بدصورت تھا، اوس کے برخلاف اس کی بی بی نہایت بد خلق اور خوبصورت تھی، ان دونون سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو وہ ان دونون کی برائیون کا مجموعہ تھا، یعنی بد خلق بھی تھا اور بدصورت بھی تھا، ایک موقع پر یوحنا بن ماسویہ کے سامنے اس کا ذکر آیا، تو اوس نے کہا کہ میرا ایک نہایت ذہین اور طباع شخص تھا، لیکن میری ایک بی بی حسین تو بہت زیادہ تھی مگر اسی کے ساتھ اس قدر احمق تھی کہ کوئی بات نہین سمجھتی تھی، اس سے جو لڑکا پیدا ہوا وہ بھی نہایت احمق تھا، اور ہمارے محاسن کا اوس پر کوئی اثر نہین پڑا تھا، اگر بادشاہ غیر ضروری باتون مین مشغول رہنے کا عادی نہ ہوتا، تو مین اپنے لڑکے کو زندہ چیر پھاڑ ڈالتا، جیسا کہ جالینوس آدمیون اور بندر ون کو چیرتا پھاڑتا تھا، اور اس طریقہ سے اوس کی حماقت و بلادت کے اسباب معلوم کر لیتا، اور ایک کتاب مین اس کے جسم کی ترکیب اور عروق، اور اوتار اور اعصاب کے متعلق ایسی معلومات جمع کر دیتا جو اہل دنیا کے لئے مفید ہوتین،[2]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ عباسی دور مین یوحنا بن ماسویہ نے فن تشریح کی طرف خاص

[1] طبقات الاطبا، جلد اول ص ۱۷۸، [2] اخبار الحکما رقفطی ص ۲۵۵، ۲۵۶،

توجہ کی تھی، اور اس فن مین ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی تھی، لیکن خود مسلمانون نے اس فن کو مزید ترقی نہین دی، کیونکہ وہ لاشون کی چیر پھاڑ کو پسند نہین کرتے تھے، البتہ سرجری مین اُن کے کارنامون کو نظر انداز نہین کیا جاسکتا، سب سے پہلے مشرق میں اس کی ابتدا ہوئی، اور محمد بن زکریا رازی نے اُس کی طرف خاص توجہ کی، اور اسی کے زمانہ مین یہ فن ممالک اسلامیہ مین پھیلا، لیکن محمد بن زکریا نے اپنی تصنیفات مین صرف سرجری کے علمی طریقے بتائے تھے، خود اُن پر عمل نہین کرتا تھا، بلکہ یہ کام جراحون سے متعلق تھا، اس کے بعد علی ابن عباسی المجوسی پیدا ہوا، جس نے پتھری نکالنے کے علمی طریقے کی تشریح کی، پھر شیخ بو علی سینا نے جراحی اور سرجری کے بہت سے علمی طریقے بتائے، لیکن خود ان پر عمل نہین کیا، اس طریقہ پر اگرچہ مشرق مین اس فن کی ابتدا ہو چکی تھی، تاہم اس کی اصلی ترقی مغرب مین ہوئی، اور بہت سے اطبار پیدا ہو گئے جو عملاً فن جراحی مین کمال رکھتے تھے، ان مین خالد بن یزید اور ابن طوکہ تو عیسائی تھے، جو عملاً جراحی کا کام کرتے تھے،[1] لیکن ان کے علاوہ چند مسلمان بھی تھے، جن مین ایک یحییٰ بن اسحٰق تھا، جو عملاً جراحی کا کام کرتا تھا، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اس کے حالات مین اس کی تصریح کی ہے، اور اس کے بعض عملی کام بھی بیان کئے ہین،[2] دوسرا ابوالحکم عمرو بن عبدالرحمٰن بن احمد علی الکرمانی المتوفی ۴۵۸ھ تھا، جس کی نسبت علامہ ابن ابی اصیبعہ نے یہ الفاظ لکھے ہین،

ولہ عنایتہ بالطب ومجربات	اس کا رجحان طب کی طرف ہے، اور
فاضلۃ فیہ ونفوذ مشہور	طب مین اس کے عمدہ تجربات ہین،
فی الکی و القطع و الشق و	اور عملی طور پر داغنے، کاٹنے، اور
البط وغیر ذلک من اعمال	چیر پھاڑ مین اوس کو عام شہرت
الصناعۃ الطبیۃ،[3]	حاصل ہے،

[1] طبقات الاطبا، جلد دوم ص ۴۱، [2] ۵۲، ص ۴۳، [3] ۵۲، ص ۵۳،

لیکن اس فن مین سب سے زیادہ شہرت خلف بن عباس زہراوی نے حاصل کی جس نے اس فن پر ایک مستقل رسالہ لکھا، اور اس مین سرجری کے کئی سوالات کی تصویرین دین، اور انکے استعمال کے طریقے بتائے وہ اس رسالہ کی تمہید مین لکھتا ہے، کہ "ہاتھ کے عملی کام ہمارے شہرمین اور ہمارے زمانے مین معدوم ہو گئے ہین، اور عنقریب ان کا علم مٹ جائے گا، صرف اس کے تھوڑے سے نشانات قدما کی کتابون مین باقی رہ گئے ہین، جن مین اس قدر تحریفات ہو گئی ہین، کہ اُن کے مطالب کا سمجھنا مشکل ہو گیا ہے" اسلئے مین نے مناسب سمجھا کہ اس فن کو زندہ کرون اور شرح و بیان اور اختصار کے ساتھ اس رسالہ کو لکھون اور داغنے اور ہاتھ سے کام لینے کی نئی نئی صورتین درج کرون، جس سے بیان کی وضاحت مین اضافہ ہوگا"،

اس رسالہ کا نام "التصریف لمن عجز عن التالیف" ہے، اور خوش قسمتی سے ۱۹۰۸ء مین مطبع نامی لکھنؤ مین آلات کی تصویر کے ساتھ چھپ گیا ہے، موجودہ زمانہ مین مصر کے ایک ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک نے "آلات الطب والجراحۃ والکحالۃ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، جن مین ان تمام آلات کی تشریح کی ہے، جو مسلمانون نے ایجاد کئے تھے، اور رسالے کے آخر مین اُن سب کی تصویرین درج کی ہین، اور اُن آلات کے سوا جن کا ذکر زہراوی نے اپنی کتاب مین کیا ہے، چند آلات کا اضافہ کیا ہے، اسلامی طب کی یہ مختصر تاریخ اُن اطباء کے حالات سے ماخوذ ہے، جن کا ذکر علامہ جمال الدین قفطی، علامہ شہرزوری اور علامہ ابن ابی اصیبعہ نے کیا ہے، انہین سب سے زیادہ جامعیت و استقصاء کے ساتھ ان اطباء کے حالات علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھے ہین، لیکن وہ بھی ساتوین صدی کے اطباء تک محدود ہے، اس کے بعد جہان تک ہم کو معلوم ہے، کسی مورخ نے اطباء کے حالات نہین لکھے، اس لئے ہم یہ نہین بتا سکتے کہ اس کے بعد اسلامی طب کی تاریخ مین کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے؟ اس سلسلے مین اُن تبدیلیون اور ترقیون کی تفصیل نہایت اہمیت رکھتی ہے، جو ہندوستان مین اسلامی دورِ حکومت مین اسلامی طب مین پیدا ہوئین

اگرچہ عباسیون ہی کے دورِ حکومت مین اسلامی طب پر ویدک اثر پڑنے لگا تھا، لیکن یہ معلوم نہین ہوتا کہ خود ہندوستان مین ویدک نے اسلامی طب پر کیا اثر ڈالا؟ اور خود اسلامی طب کا کیا اثر قبول کیا؟ تاہم اس مین شبہہ نہین کہ اب تک اسلامی طب کا جو سلسلہ چلا آتا تھا، ہندوستان کی آب و ہوا کے لحاظ سے اس مین تغیر پیدا کرنے کی ضرورت تھی، اور علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے ایک مضمون مین لکھا ہے کہ "سب سے پہلے سلطان سکندر لودی کے زمانہ مین اس کا احساس پیدا ہوا"، اور خواص خان ایک درباری امیر نے عرض کی کہ جہان پناہ یونانی طب ہندوستان کی آب و ہوا کے موافق نہین ہے، حکم ہوا کہ سنسکرت سے ہندی طب کو فارسی مین منتقل کیا جائے، چنانچہ میان بھوہ بن خواص خان نے اس کام کو انجام دیا، اور کتاب کا نام معدن الشفاء سکندر شاہی رکھا، قاسم فرشتہ نے اکبری عہد سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے ہندی علم طب کو زندہ کیا"، اب علمی حیثیت سے طبی کتابون کی زبان بدل گئی، پہلے طب کی تمام کتابین عربی زبان مین لکھی جاتی تھین، لیکن مسلمانون کے دورِ حکومت مین فارسی زبان مین لکھی جانے لگین، اور اس وقت فارسی زبان مین جو علم طب ہے، اور خصوصاً خاندانی اطباء کے سفینون اور مجربات ناموں مین جو سیکڑون نسخے اور دوائین ہین، ہندوستان زاہین اسی طریقے سے بیدون نے مسلمانون کے سیکڑون نسخے، دوائین اور اصول علاج اپنے ہان لئے، اور اس طرح مل ملا کر ایک ایسا طرزِ علاج رائج کیا، جو ہندوستان کے حالات کے مطابق تھا، ویدک کا یہ وہ اثر تھا جو اسلامی طب نے خود ہندوستان مین قبول کیا، لیکن خود اس نے بھی ویدک پر مختلف اثرات ڈالے پہلے ویدون مین وہ دوائین رائج تھین جو ہندوستان مین پیدا ہوتی تھین، طب اسلامی نے تمام ملکون مین جو دوائین، جڑی بوٹیان زیرِ تجربہ آچکی تھین، اُن کو ہندوستان مین رواج دیا، اس طرح مفردات کے ذخیرے کو بیحد بڑھا دیا، مفردات کے علاوہ دواؤن کی ترکیب مین عرق معجون، قرص، اطریفل، سفوف وغیرہ کے مختلف طریقون کو پھیلایا،

اشرف علی فغاں

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب (علیگ)

(۲)

فغان کی ہجوین: شاعری کے میدان مین فغان کی ظرافت اور بھی تیز بلکہ بہت زیادہ تیز ہو جاتی ہے، پیش نظر دیوان مین ان کی دس ہجوین ہین جو انھون نے وقتاً فوقتاً مختلف اشخاص کی کہی ہین، ان مین بعض تو ایسی ہین جو اعتدال کی حد سے اتنی آگے بڑھ گئی ہین، کہ وہ فحاشی اور گالی گلوج کہی جا سکتی ہین،

عام طور سے اردو مین ہجو گوئی کا معیار بہت ہی پست ہے، بلکہ یہ ادب اردو کے رُخ گلگون کا بہت ہی بدنما داغ ہے، ہجو گوئی کا مقصد اردو شعراء خصوصاً قدماء کے یہان وہ نہین، جو فرانس مین رابیلے مولیر والٹیر، اور اناطول، فرانس یا انگلستان مین ڈرائیڈن پوپ اور بائرن یا عرب مین ابن قدامۃ ابی عمر بن العلاء، اور ابن رشیق کے یہان ہین، بلکہ وہ ہے جو ایرانی شاعری مین سوزنی، عبید ذاکانی، اور قتوجی کے یہان ہین، یعنی یہ کہ بغض و عناد یا تمسخر مین ذاتی تضحیک، تذلیل جوش انتقام مین سب و شتم، اور حسد مین طنز و تشنیع کرنا، عربی شعراء مثلاً ابن قدامہ اور ابن رشیق کے نزدیک جسمانی یا آبائی عیوب کا ذکر کرنا، تہمت لگانا، اور بدزبانی کرنا، ہجو گوئی نہین، بلکہ موزون گالی گلوج ہے، اس لحاظ سے اردو کے قدیم ہجو گو شعراء کے یہان صرف گالی گلوج بلکہ ایسی فحاشیان ہین، جن کو پڑھ کر حیا کی گردن جھک جاتی ہے،

ہجو گوئی کے مرد میدان مرزا سودا ہین، وہ طبیعتاً نہایت نازک مزاج واقع ہوئے تھے، پھر ان کی رگون مین سپاہیانہ خون رواں تھا، اس دو آتشہ نے اُن کی ظرافت اتنی تیز کر دی تھی، کہ اُن کی ہجون مین متانت، سنجیدگی اور سلامت کا کہین پتہ باقی نہ رہا، اُن کے یہان پھبتیاں کہنا کھلی کھلی گالیان دینا، حسب نسب کی دھجیان اڑانا کوئی غیر معمولی بات نہین، پھر معلوم نہین سودا کا رنگ اس قدر کیون جما کہ ان کے معاصرون مین جس کسی نے ہجو کہی، اسی انداز کو اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ ہجو کے معنی، تعریض، تنقیص، تضحیک، تذلیل، سب و شتم، گالی، گلوج اور بیہودہ گوئی وغیرہ سب کچھ تصور کیا جانے لگا،

چنانچہ فغان کے یہان بھی یہ ساری خصوصیات موجود ہین، مثلاً میر معصوم کی ہجو مین لکھتے ہین،

ایک ہین آشنا میرے مجہول   خود نما بو الفضول و نامعقول

بھتیجے ہین یہ اسد خان کے   متبنٰی ہین خان دوران کے

یا یہ شایستہ خان کے پوتے ہین   خانخانان کے ہوتے سوتے ہین

یا یہ کہ نانی تھی ان کی نور جہان   ان کا نانا تھا شیر افگن خان

آبائی عیوب کا ذکر کرکے جسمانی نقائص پر حملہ کرتے ہین،

سر کہان ہے تلا ہے ہانڈی کا   حلق جیسے گلا ہے ہانڈی کا

بھوین آپس مین اس طرح رلیان   جس نمط لڑ رہی ہون چھپکلیان

چشم تو ہے برنگ دیدۂ بوم   نہ دکھاوے خدا یہ صورت شوم

کان پھیلے ہین جون پر شپرک   ہے بنا گوش جون سر شپرگ

ناک تو اس طرح سے ہے اینٹھی   جیسے ہوتے یہ مینڈ کی بیٹھی

آگے پڑھتے پڑھتے تو آنکھین بند کر لینی پڑتی ہین، دو اور ہجون مین تو ابتذال، رکاکت، اور فحاشی اس درجہ تک پہنچ گئی ہین، کہ سودا بھی ان کے سامنے ماند پڑ جاتے ہین،

مگر اس زمانہ میں ہجو گوئی کا جو عام معیار ہے، اس لحاظ سے فغان کی بعض ہجویں اعلیٰ معیار پر اترتی ہیں، دہلی چھوڑ کر جب مرشدآباد چلے، تو راستہ میں الہ آباد ٹھہرے، وہاں کی سرزمین اور اس کے لوگوں سے خوش نہ ہوئے اور ان کی ہجو لکھی جو خوب ہے،

کہاں سے کہاں چرخ لایا مجھے　　عجب شہر ابھونڈا دکھایا مجھے

یہ وہ شہر جس کو کہیں ہیں پراگ　　مرا بس چلے آج دوں اس کو آگ

جہاں تک تری ہے وہاں سیل ہے　　نظر آئی خشکی تو کھپریل ہے

لکھوں خاک نقشہ میں اس شہر کا　　کہ یہ تو ہے بیت الخلا دہر کا

....　　..............

....　　..............

لکھوں وضع گرم دم شہر کی　　کم ہو جائے حرمت ابھی دہر کی

عجب دہر ہے جس میں یہ شہر ہے　　مصیبت ہے زندان ہے قہر ہے

نکالے خدا اس بلا سے شتاب　　نہ ہوگا جہنم میں اتنا عذاب

اگر ہوگا تو یار ہوں گے کئی　　وہاں میرے غم خوار ہوں گے کئی

وہ پہونچیں گے آخر مرے درد کو　　دکھاؤں گا اپنے رخِ زرد کو

کہوں گا کہ میں عاشقِ زار ہوں　　میری داد دینا گرفتار ہوں

وہاں کے اربابِ علم اور اصحابِ کمال کی جو خبر لی ہے، وہ ملاحظہ ہو،

یوں ہی ہنستے ہنستے یہ آیا خیال　　بھلا دیکھیے یہاں کے صاحبِ کمال

انھیں شاعری میں ہے کتنا شعور　　کوئی ریختہ پڑھیے ان کے حضور

پڑھا ریختہ میں تو خاموش تھے　　زباں سے انھیں کیا فقط گوش تھے

وہاں کے پیر مرشد اور شاعر کامل شاہ عبدالرحمن الہ آبادی کی جو درگت بنائی ہے وہ بھی سن لیجئے:-

اگر کوئی جا اُن کو دشنام دے　　کہیں تجھ کو اللہ آرام دے

کہیں آپ کو مرشدِ کائنات　　تبرک ہے یاں پیر صاحب کی ذات

شاہ صاحب شعر و شاعری میں جو درک رکھتے ہیں، پہلے اُن ہی کی زبان سے سُنئے،

سنو جس کی پھولی گلستان ہے　　وہ سعدی میرا بوڑھا دربان ہے

نظیری مجھے دیکھ خاموش ہو　　اوسے خانخانان فراموش ہو

رکھے تھا اگرچہ وہ دستِ سخا　　تو میں بھی تو رکھتا ہوں دستِ دعا

اب اس کے آگے سنئے،

کئی شعر ہیں یاد استاد کے　　تصدق ہوں میں آپ کی یاد کے

سو کہتے ہیں وہ میرے مضمون ہیں　　تب ہی اس فصاحت کے موزوں ہیں

اگر کوئی بدلا کہ فرمائیے　　نئے شعر کچھ اپنے پڑھ جائیے

تو اس مثنوی کو پڑھیں ہیں پکا　　کہ تا شاہدی دیویں اہلِ جوار

کریما بہ بخشائے برحالِ ما　　کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

کبھی کاٹ کر ایک تکہ بنا　　بھرے ہیں یہ پڑھتے ہوئے جابجا

الٰہی بہ اعزاز آن پنج تن　　کہ ہستند فخرِ زمین و زمن

مگر فغان کا اصلی شاعرانہ کمال ان کی غزلوں سے ظاہر ہے، عمر میں تو وہ میر سودا اور درد سے چھوٹے تھے، لیکن موجودہ دور کے بعض اربابِ نظر نے اُن کا شمار شعرائے متقدمین کیا ہے، آزاد نے اُن کو اردو شاعری کے دورِ دوم میں رکھا ہے، جس میں حاتم اور سراج الدین خان

آرزو ہین، اور مولانا عبدالحی نے قدما کے دور سوم مین شامل کیا ہے، جس مین شاہ مبارک آبرو، شیخ شرف الدین مضمون، میر محمد شاکر ناجی، محمد حسین کلیم اور مصطفےٰ خان یکرنگ وغیرہ ہین، مگر قیام الدین قائم نے فغان کو اپنے مجوزہ طبقہ سوم مین یعنی مظہر جانجانان، میر تقی میر، مرزا رفیع سودا، میر سوز اور انعام اللہ خان یقین وغیرہ کے ساتھ رکھا ہے، اور یہی صحیح تقسیم ہے، کیونکہ پیش نظر دیوان مین بعض خصوصیات ایسی پائی جاتی ہین، جن کی بنا پر ان کو متقدمین کے بجائے شعرائے متوسطین کے دور اول کی صف مین جگہ دینی چاہئے، موخرالذکر دور کے شعرا کے کارنامے یہ ہین، کہ انھون نے ایہام گوئی کو چھوڑ کر زبان کی صفائی اور صحت کی کوشش کی، فارسی کی دلپذیر ترکیبین اور پسندیدہ محاورے اردو مین رائج کئے، الفاظ کی بندشون کو چست اور لطیف بنایا، اور پرانے عاشقانہ مضامین کو روزمرہ بول چال مین خوبصورتی سے ادا کیا، اور یہ تمام باتین فغان کے یہان موجود ہین،

فغان کا موجودہ دیوان تو ایہام گوئی کے خلاف سراسر جہاد ہے، ایہام گوئی کے خلاف سب سے پہلے مرزا مظہر جانجانان نے علم بغاوت بلند کرکے اس خس و خاشاک سے اردو شاعری کو پاک کیا، لیکن مرزا مظہر اردو مین اشعار کہنا اپنے لئے طرۂ امتیاز نہ سمجھتے تھے، اس لئے اردو شاعری کو درحقیقت جس نے ایہام گوئی کی برائیون سے صاف کیا، وہ انکے شاگرد رشید انعام اللہ خان یقین تھے، فغان مرزا مظہر سے تو بہت چھوٹے لیکن یقین کے ہم عمر تھے، اب معلوم نہین، فغان نے مرزا مظہر کے زیر اثر ہو کر یا یقین کی تقلید مین یا اپنی طبیعت کی اپج سے ایہام گوئی کی صنعت چھوڑی، مگر کسی کی تقلید مین شعر کہنا وہ اپنے لئے ننگ سمجھتے تھے، وہ خود کہہ گئے ہین،

کیون کرین غیر کے مضمون کو فغان ہم موزون
تازگی ہوے سخن مین یہ کمال اپنا ہے

بہر حال حقیقت جو کچھ ہو لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ جس زمانہ مین یقین ریختہ گوئی کو ایہام گوئی

سے پاک کر رہے تھے، اسی زمانہ مین فغان نے بھی اس صنعت سے بہت زیادہ احتراز کیا ہے، چنانچہ بقول مخدومی مولانا عبدالسلام صاحب ندوی وہ مصلحین اردو شاعری کی صف اول مین جگہ پانے کے قابل ہین[1]،

جہان تک زبان کی صفائی اور صحت کا تعلق ہے، فغان نے وہی زبان استعمال کی ہے، جو مرزا مظہر، سودا، میر اور درد کے یہان ہے، قدما کے الفاظ ان کے یہان نہین ملتے ہین، اور جو متروکات سودا اور میر کے یہان بکثرت استعمال ہوئے ہین، فغان کے یہان مشکل سے کہین کہین ملین گے، پورے دیوان مین صرف کسو، نت، جون، سان اور ٹک چند بار استعمال ہوئے ہین، ان مین کسو تو صرف ایک ہی جگہ آیا ہے، کبھو کا تو استعمال ہی نہین کیا ہے[2]، اس کی جگہ پر کبھی ہے،

کبھی نہ گل سے محبت نہ بو سے ہو اخلاص — تجھے بھی دہر مین ظالم کسو سے ہو اخلاص

البتہ ولی کی طرح[3] تئین کا استعمال جابجا کیا ہے، بلکہ دو غزلین تو اسی ردیف مین لکھی ہین جن کے بعض اشعار یہ ہین،

شعلہ ہماری آہ کا ہوتا چلا بلند — نزدیک ہے کہ آگ لگے آسمان کے تئین
خلوت مین وہ ہو جام ہو مطرب ہو اور شراب — یہ دن خدا دکھاوے ہمارے فغان کے تئین

---

[1] معارف جلد ۹ نمبر ۴ [2] دیوان کے پیش نظر قلمی نسخہ کی غزلون مین تو کبھو نظر نہین آیا، لیکن مجموعہ نغز مین فغان کے حسب ذیل اشعار منقول ہین، جن مین کبھو کا استعمال ہوا ہے،

مجھسا گرفتہ دل بھی کبھو شاد ہوے گا — یہ خانمان خراب بھی آباد ہوے گا
اس سال ہم قفس مرے آزاد ہو گئے — مجھ پر بھی مہربان کبھو صیاد ہوے گا
نہ کھولئے ترے بند قبا تو کیا کیجئے — دل گرفتہ کو ظالم کبھو تو وا کیجئے

[3] ولی کا ایک مقطع ہے:-

پیدا ہوا ہے جگ مین ولی صاحب سخن — میری طرف سون جاکے کہو انوری کے تئین

شمع د خلوت مین مت دراہ پروانے کے تئین   ای ترے قربان مین کیا کم ہون جل جانے کے تئین

مے نہین مینا نہین، ساغر نہین ساقی نہین   جی مین آتا ہے لگادوں آگ پیمانے کے تئین

اسی طرح ایک قطعہ ہے، جس مین "چالیان" "کالیان" اور "نکالیان" جیسے الفاظ قدمار کی یاد

تازہ کرتے ہین[1]:-

دیکھا کہ یہ تو چھوڑنا ممکن نہین مجھے   چلنے لگا وہ شوخ میرا تب یہ چالیان

ایذا ہر ایک طرح سے دیتو غرض مجھے   کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طرحین نکالیان

ہم نے شبِ فراق مین سنتا ہے ای فغان   کیا خاک سو کے حسرتیں دل کی نکالیان

یہ تھا خیال خواب مین دیکھیں گے روز وصل   آنکھین جو کھل گئین وہی راتین ہین کالیان

مگر یہ الفاظ متوسطین کے دور اول میں متروک نہین ہوئے تھے، بلکہ مذکورۂ بالا دونون ردیف

اور قافیے اس زمانہ مین نہبت پسندیدہ تھے، میر[2]، سودا[3]، یقین[4] اور بیدار[5] نے بھی اس ردیف اور قافیے

مین غزلین لکھی ہین،

۱ه حاتم کا ایک مطلع ہے:-

جب سے تیری ادائین عالم کو بھائیان ہین   تب سے جہان میں تونے دھومین مچائیان ہین

۲ه میر:- مدت ہوئی کہ اپنی خبر کچھ ہمین نہین،   کیا جانئے کہ میر گئے ہم کدھر کے تئین

کیا جانتے تھے ایسے دن آجائیں گے شب   روتے گذر نیان ہین راتین ساریان

۳ه سودا: جب لبون پر یار کے مستی کی دھڑیان دیکھیان   جون زحل کی ساعتین اس دل پہ کڑیان دیکھیان

۴ه یقین:- کم نہین ہم پوچھئے کعبہ سے میخانہ کے تئین   سجدہ ہم کرتے ہین جوں محراب پیمانے کے تئین

گالی بھی پی گئے ہین مار بھی کھائیان ہین   ہم نے تیری جفائین کیا کیا اٹھائیان ہین

۵ه بیدار: جا مین مشتاقوں کی لب تک آئیان   بل بے ظالم تیری بے پروائیان

یارب جو خارِ غم ہین جلادو انھون کے تئین   جو غنچۂ طرب ہیں کھلادو انھون کے تئین

فغان نے فعل امر کے استعمال مین قدما ہی کی روش پسند کی ہے، اور یہ چیز شعرائے متوسطین

کے دور سوم تک جاری رہی، اس کے علاوہ فغان کی غزلون مین ایسے موزون ہین کہ موجودہ مذاق

کے مطابق بھی ان مین قبح کے بجائے حسن پیدا ہو گیا ہے، مثلاً

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہین   لینا نہ میرے نام کو اسے نامہ بر کہین

بادِ صبا تو عقدہ کشا اس کی ہجیو   مجھ سا گرفتہ دل نظر آوے اگر کہین

اتنا ہجوم خوش نہین آتا ہے اشک کا   عالم کو موت ڈبوئیو اے چشم تر کہین
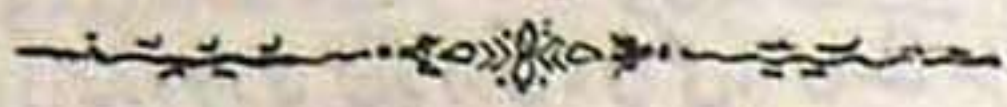
مجھ سے گرفتہ دل کو خدا شاد کیجیو   اس خانماں خراب کو آباد کیجیو

اس باغبان کو میری اسیری کا کیا الم   اے عندلیب تو تو مجھے یاد کیجیو

پھر اس قسم کے متروکات فغان کے یہان بہت ہی کم ہین، عام طور سے دیوان شروع سے آخر

تک سلاست اور فصاحت سے بھرا ہوا ہے، اور اس لحاظ سے وہ اپنے ہمعصر شعراء مین بہت ممتاز ہین،

ان کے معاصر انعام اللہ خان یقین کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ انھون نے ریختہ کو بہت ہی شستہ بنایا،

مصحفی یقین کے بارے مین لکھتے ہین:-

"در دورۂ ایہام گویان اول کسے کہ ریختہ را شستہ و رفتہ گفتہ این جوان بود

بعد از ان تتبعش بہ دیگران رسیدہ"،

اسی طرح یقین کے ذکر مین تذکرہ فتح علی شاہ مین ہے:

"بے اغراق ریختہ گوئی بر طاق بلند گذاشتہ و تخم معنی در زمین سخن کاشتہ"

صاحب گل رعنا بھی اپنی خوش عقیدگی کے جوش مین رقمطراز ہین، کہ اگر یقین جیتے رہتے تو

میر ہون یا مرزا ہون کسی کا چراغ ان کے سامنے نہین جل سکتا تھا،

مگران خوبیون کے باوجود یقین کے یہان بعض الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہین جو اس زمانہ مین متروک ہوچکے تھے، مثلاً جگہ کے بجائے جاگہہ[لہ]، رکھنا کے بجائے راکھنا[ٹہ]، لگنا کے بجائے لاگنا[ٹلہ]، سے کے بجائے ستی، اور سیتی[کہ]، جینا کے بجائے جیونا[ھہ]، جاننا کے بجائے بوجھنا[لہ]، ادھر کے بجائے ایدھر[کہ]، اور کدھر کے بجائے کیدھر[ھہ] استعمال کئے گئے ہین، اس کے برخلاف فغان کے یہان یہ متروکات بالکل نہین پائے جاتے، اگر ان کے دیوان پر نظر ڈالی جائے، تو متروکات کی جگہ نئے ترشے ہوئے الفاظ ملین گے،

فغان نے قلعہ معلی کی چہار دیواری مین پرورش پائی تھی، اس لئے فطری طور پر ان کی زبان مین اردوے معلی کی گھلاوٹ ہے، اور اس لحاظ سے وہ اپنے تمام معاصرین مین ممتاز ہین، یقین کی ایک مشہور غزل ہے،

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے   اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

قاتل ہماری لاش کی تشہیر ہے ضرور   آیندہ تا کوئی نہ کسو سے وفا کرے

لہ تیری جاگہ اگر پتھر بھی ہوتا آب ہو جاتا   پھٹی چھاتی کو میری دیکھ کوہِ طور رو دیتا

ٹہ کسو کا کچھو راکھا کر و دل، تم کو لازم ہے   وگرنہ دلربا وٗن کا لقب دلدار کیون ہوتا

ٹلہ اشک سے لاگے ہے پروانہ کے جیسے تن کو آگ   لگیو اے فانوس ایسی تیرے پیراہن کو آگ

کہ منہ پھیر نالہ سے، آنسو سے نہ موڑ آنکھین   اتنا بھی یقین مت ہو اپنے سیتی بیگانہ

ھہ ہاتھ سیتی جا چکا جب یار تب آئی بہار   پی گئے سے تنہا کوئی دھو مین مچا دے کس طرح

لہ عشق کے بھی کارخانے کی عدالت دیکھ لی   بوالہوس جیوین، مرین ہم اے محبت واہ واہ

کہ کم نہین ہم بوجھتے کعبہ سے بتخانہ کے تئین   سجدہ ہم کرتے ہین جون محراب پہچانتے تئین

ھہ دیوان یقین ص . . . .

ہ دلون پر برق سی گرتی تھی جب ہم نالہ کرتے تھے   گئین کیدھر نہین معلوم ان آہون کی تاثیرین

جو کوئی عرض حال کرے تجھ ستی مرا   اول بیان دا قعہ کربلا کرے

خلوت ہو اور شراب ہو معشوق سامنے   زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

ہوتا ہے خاکِ راہ وفا بیگمان یقین

ہے دل مین یہ کہ شرطِ محبت ادا کرے[لہ]

فغان نے اسی قافیے اور ردیف مین جو طبع آزمائی کی ہے، وہ بھی ملاحظہ ہو:

یار اگر جفا کرے چاہئے دل وفا کرے   یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے

یار طرف نظر رہی اشک سے چشم بھر رہی   جیب و کنار تر رہی خونِ جگر بہا کرے

کوچہ یار پاک ہو جان کہین ہلاک ہو   کاش یہ چشم خاک ہو در پہ تیرے اوڑا کرے

جو کوئی عشق باز ہو چاہئے وہ گداز ہو   شعلہ دل فراز ہو، شمعِ صفت جلا کرے

تو تو فغان ہر پیر دیر پاتے ہین تجسے لطفِ سیر   کون جئے گا تجھ بغیر تو نہ مرے خدا کرے

یقین کا شاعرانہ کمال اپنی جگہ پر، لیکن زبان کی جو صفائی اور روانی فغان کے یہان ہے، وہ یقین کے یہان نہین، دونون کے ملتے جلتے مضامین کے کچھ مفرد اشعار بھی ملاحظہ ہون،

یقین   اس طرح رونے مین آنکھون کا خدا حافظ یقین   دیکھئے یہ خانماں اس رو مین ڈوبے یا ترے

فغان   اتنی ہی آہ و زاری کرتے اگر رہین گے،   جیتے کہان بچین گے آخر تو مر رہین گے

یقین   بہار آئی ہے کیا کیا چاک جیب پیرہن کرتے   جو ہم بھی چھوٹ جاتے اب تو کیا دیوانپن کرتے

فغان   بہار آئی مرے پاؤن مین پھر زنجیر پڑتی ہے   مبارک ہو جنون گھر کو ترے آباد کرتا ہون

یقین   آنکھ سے نکلے یہ آنسو کا خدا حافظ یقین   گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا

لہ اس غزل کا پہلا، دوسرا، اور چوتھا شعر، سودا، کی طرف بھی منسوب ہے،

(دیکھو کلیات سودا ص ۲۰۰ نولکشور پریس لکھنؤ)

فغان ۔ مجھ سے بہل سکے گا نہ ہرگز یہ طفل اشک | تختِ جگر کو گود میں جبتک کہ بھر نہ لے
یقین ۔ آپ سے جب تک نہ تھا واقف کہاں تھا یکو | دیکھتے ہی آئینہ میں منہ سکندر ہو گیا
فغان ۔ دل میں فغان کے ہم نے عکس دُوئی نہ دیکھا | آئینہ سکندر کیا اوس کے روبرو ہو

اس زمانہ کے عام مذاق کے مطابق یقین کے کلام میں بعض جگہ تعقید[1] عجیب و غریب ترکیب[2] اور قافیے میں ناہمواری بھی پائی جاتی ہے، لیکن فغان کا دیوان ان معائب سے پاک ہے، البتہ "نے" کے استعمال میں فغان نے معلوم نہیں کونسا نحوی طریقہ اختیار کیا ہے، کہ کہیں بالکل نہیں استعمال ہوا ہے، جس سے زبان میں کچھ ثقل پیدا ہو گیا ہے، مثلاً

اے شیخ میں کل سے نہیں دیکھا ہے صنم کو | اس وقت خدائی سے بھی بیزار بیٹھا ہوں
رفو کرے تھے جسے تو ہزار محنت سے | میں تار تار کر اس کو اڑا دیا ناصح
تب کہا میں دل سو کر کچھ فکرِ عقبیٰ ای عزیز | کیوں نہیں ہوتا تو مداح شہِ لدل سوار

ایک جگہ "انھوں" کے استعمال سے بھی ثقل پایا جاتا ہے،

جو میری تحقیق میں آیا سو اب کرتا ہوں عرض | رائے تو ان کی غلط ہے بد انھوں کا ہے شعار

مگر کہیں کہیں تو صفائی اور روانی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ بعض غزلوں پر بقول استاذی مولانا عبد السلام صاحب ندوی داغ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے، مثلاً

مفت سودا ہے ارے یار کہاں جاتا ہے | آمرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے
کج کلہ، تیغ بکف چین برابرو، بے باک | یا الٰہی یہ ستمگار کہاں جاتا ہے

---

[1] مثلاً کہاں سکتے ہیں چڑھ منہ پر بتان نازنمکین کے | کریں ہم صبر کے بے خرچ مفلس ہیں دل و دین کے
[2] مثلاً شکن مشتاق دل میرا ہوا ہو سخت مونائی | جہان پر دیکھتا ہے سنگ وہاں کرتا ہو بینائی
[3] زور، شور کے قافیے کے ساتھ چھوڑ، اور کروڑ بھی استعمال کیا ہے دیکھو دیوان یقین ص ۱۶، انجمن ترقی اردو۔

یا مثلاً :-

ساغر ہو اور مینا، صہبا ہو اور سبو ہو | جم جم رہے یہ صحبت دنیا ہو اور تو ہو
منظور عشق یہ ہے عشاق پا شکستہ | محتاج در بدر ہو آوارہ کو بکو ہو

یا مثلاً :-

اے عندلیب زمزمہ کر لے پکار کے | آئی خزان چمن میں چلے دن بہار کے
ساقی مجھے تو ساغر نرگس میں دی شراب | کھلتی نہیں ہے چشم تو مارے خمار کے

یا مثلاً :-

ظالم تجھے قسم ہے جو اس کو جلا نہ دے | یہ دل بھی دل نہ ہووے جو تجکو دعا نہ دے
تیرے ہی دل سو پوچھئے اس غم کو ہاں فغان | الفت بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

فغان کے یہان شعراء متوسطین کی طرح بعض ترکیبیں تو بہت سبک دلپذیر اور دلکش ہیں، مثلاً کاروان اشک "طفل اشک" "دامن صحرا" "داغ جنون" "خاکپائے چراغ" "آتشکدۂ دل" "تشنۂ عشق گرفتہ دل" "صف مژگان" وغیرہ مگر کہیں کہیں، موجودہ ذوق کے مطابق گران ہو گئی ہیں، مثلاً

برنگ طائرِ بسمل موئے یہ کشتۂ عشق | کسی نے غم نہ کیا خاک و خون طپیدون کا
دہن کو دیکھ تیرے ہونٹ چاٹتے رہ گئے | بھرا نہ قند سے مونہہ چاشنی چشیدون کا

ایسی ترکیبیں اس زمانہ کے شعراء کے یہان عام ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اس دور میں اردو شاعری کو اس قابل بنایا جا رہا تھا، کہ اس کے ذریعہ سے خیالات، جذبات اور احساسات کا اظہار اچھی طرح ہو، فارسی اس کے سامنے تھی، اس لئے اس زبان کی ترکیبیں اور محاورے بکثرت مستعمل کئے جانے لگے، ان میں سے اکثر تو اردو شاعری کے رخِ زیبا کی زینت بن گئے، لیکن بعض کھپ نہ سکے، انھی میں فغان کی مذکورۂ بالا ترکیبیں ہیں، اسی طرح فارسی محاورات کو اردو میں رائج کرنے کی کوشش میں ایک جگہ ایسا محاورہ

استعمال ہو گیا ہے، جو آج غیر فصیح معلوم ہوتا ہے،

یار برباد تو دیتا ہے میرے خون کو لیک　　نہ اڑے چھینٹ نہیں گوشۂ داماں کی طرف

فغان نے فارسی کے محاورہ، بر باد دادن سے برباد دینا استعمال کرنے کی کوشش کی، لیکن ار

مین برباد کرنا رائج ہوا،

مگر اس قسم کے غیر فصیح محاورے شاید ایک آدھ ہی ہین، ورنہ عام طور سے تمام محاورات موج

مذاق کے مطابق ہین،

الفاظ کی بندش　فغان کے یہان شعرائے متوسطین کی طرح الفاظ کی بندش بھی چست اور لطیف ہوتی

پامال عشق کوچۂ الفت سے کیا چلے　　چلنے مین ہم یہان سے اگر نقش پا چلے

لختِ جگر کو دیکھ کے کہتے ہین طفلِ اشک　　گر چل سکے تو ساتھ ہمارے چلا چلے

رسوا خاص و عام ہون جاؤن جہاں لئے　　اس داغدار دل کو بھرون مین کہان لئے

واہون برنگِ گُل جو سخندان ملے کہین　　غنچہ صفت خموش ہون مونہہ مین زبان لئے

اس قافلہ کے بیچ صدائے جرس نہین　　جاتی ہے سیلِ اشک عجب کاروان لئے

کیونکر کوئی زیارتِ زخمِ جگر کرے　　پردے اٹھے نہین ہین دل داغدار کے

طاق نسیان پہ نہ رکھ شیشۂ دل کو ظالم　　یہ نہ ہو بھر کہ مرا آبلۂ دل پھوٹے

کر دیا وقت مرے کلبۂ احزان کو فغان　　خوان یغما کے یہ معنی ہین جو چاہو لوٹے

بندش پر ردیف کے اثر کی مثال ملاحظہ ہو،

عاشق کا دل تجھے گر مطلوب ہے تو یہ ہے　　گر ذشت ہی تو یہ ہے اور خوب ہے تو یہ ہے

پردہ اگر دوئی کا اٹھ جاوے تو دکھا دون　　معشوق ہے تو یہ ہے محبوب ہی تو یہ ہے

اب کیا علاج کیجئے خانہ خراب دل کا　　ہوشیار ہے تو یہ ہے مجذوب ہی تو یہ ہے

لختِ جگر فغان نے اب نامہ بر کیا ہے　　پیغام ہے تو یہ ہے مکتوب ہے تو یہ ہے

الفاظ کی بندش کی چستی سے کہین کہین بقول مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کلام مین موسیقیت

اور کہین کہین تشابہ پیدا ہو گیا ہے، پہلے موسیقیت کی مثالین ملاحظہ ہون،

نے شعلہ ونے برق ونہ اخگر نہ شرر ہون　　مین عاشقِ دل سوختہ ہون تفتہ جگر ہون

زاہد کو حرم دیر برہمن کو مبارک　　مین کشتۂ الفت نہ ادھر ہون نہ اُدھر ہون

قاتل کے دمِ تیغ سے یہ بوالعجبی ہے　　بسمل کی زبان پر طپش تشنہ لبی ہے

آنکھین تیرے پاؤن سے لگین عین سعادت　　دامن کو ترے ہاتھ لگے بے ادبی ہے

دشمن ہے محتسب دلِ خانہ خراب کا　　پھوٹے نہ اُس کے ہاتھ سے شیشہ شراب کا

جاری ہے میرے گوشۂ داماں سے سیل اشک　　تر اس قدر ہے کا ہیکو دامن سحاب کا

اس دل کو الٰہی کیون آسیب نہ پہنچے　　مین ٹھیس سے ڈرتا ہون کہ شیشہ پہ بنی ہے

صنعت کے یہ معنی ہین کہ ٹوٹے کو بنا دے　　دل توڑنا یہ کون فنِ شیشہ گری ہے

ہون عاشقِ دل سوختہ جون سرو چراغان　　اس نخل کی ٹہنی نہ ہری ہے نہ بھری ہے

کیون پھونکتا رہتا ہے فغان داغِ جگر کو　　بجھ جائے گا آپ ہی یہ چراغ سحری ہے

اس کے بعد تشابہ کی مثالین ملاحظہ ہون،

کسی کے پاس دیکھوں یار کو مین سہہ نہین سکتا　　رہون تو رہ نہین سکتا کہون تو کہہ نہین سکتا

یہ موجِ اشک میری صورتِ زنجیر رکھتی ہے　　چلون تو چل نہین سکتا بہون تو بہ نہین سکتا

تجھے ہر صبح ہنسنا تھا، تجھے ہر شام تمنا دی تھی　　مجھے ہر روز جلنا تھا مجھے ہر رات رونا تھا

تجھ سے رقیب ہنستے یہ بھی خدا کی قدرت　　ہم یون رہین ترستے یہ بھی خدا کی قدرت

دل دون مین روتے روتے یہ بھی نصیب میرے　　جی لے تو ہنستے ہنستے یہ بھی خدا کی قدرت

فغاں کے الفاظ کی بندش کی داد موجودہ دور کے اربابِ کمال نے بھی دی ہے، محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ ان کے الفاظ کی بندش ان کی مشق سخن پر گواہی دیتی ہے، مولانا عبدالسلام ندوی رقطراز ہیں، "کہ ان کی بندش کی چستی اُن کی زبان کی سلاست اور روانی کو اور دوبالا کر دیتی ہے" پھر لکھتے ہیں کہ بندش کی چستی نے بعض جگہ فغاں کی ترکیبوں میں نہایت تشابہ اور توازن پیدا کر دیا ہے، اس لئے کلام میں روانی کے ساتھ موسیقیت بھی پیدا ہو گئی ہے، جو کانوں کو نہایت خوش آیند معلوم ہوتی ہے،

بقول مصنف گلِ رعنا متوسطین شعرا کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ "جو عاشقانہ مضامین غزلوں میں بہت پہلے سے بندھے چلے آتے تھے، اُن کو بہ تبدیل الفاظ اور تغیرِ اسالیب معمولی بول چال اور روزمرہ میں اس خوبصورتی سے ادا کیا ہے، کہ بار بار پڑھئے اور مزے لیجئے، یہ خصوصیت فغاں کے یہاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے، بپیشِ نظر دیوان کی تمام غزلیں اس کی بیّن مثالیں ہیں، فغاں کی شاعری میں مضامین کی بلندی یا خیالات کی ندرت نہیں بلکہ اس میں عشق و عاشقی کے وہی پرانے قصّے ہیں جن میں صرف زبان کی صفائی کا لطف ہے، اس کا اندازہ ناظرین اُن کے اشعار سے کر سکتے ہیں، (باقی)

اسلام کا معاشیاتی نظام

از

جناب مولوی حیدر زمان صاحب صدیقی تنگگری،

موجودہ معاشی نظریات کا پس منظر

انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی مسائل میں اقتصادی مسئلہ کو کافی اہمیت حاصل ہے، اسی لئے موجودہ نظام ہائے حکومت میں اس مسئلہ کو اوّلین درجہ دیا گیا ہے، اور ہر حکومت اپنی اقتصادی عظمت و برتری کی خاطر گوناگون وسائل و ذرائع عمل میں لا رہی ہے، اور زبان سے یہ دعویٰ بھی بار بار دہرایا جا رہا ہے، کہ ہمارے حدود مملکت میں کسی انسان کو تنگدست اور بھوکا نہ رہنے دیا جائے، اور ملک کے تمام باشندوں کو امن و خوشحالی کے ساتھ مساویانہ زندگی بسر کرنے کی سہولتیں مہیا ہونی چاہئیں،

مگر اس حقیقت سے کس کو انکار ہوگا کہ حقیقی امن و خوشحالی صرف اس کا نام نہیں کہ دولت و زر کے انبار جمع ہو جائیں اور حکومت کے خزانے سونے اور چاندی سے بھرپور ہوں، ورنہ اس معیار سے موجودہ حکومتیں سرمایہ و دولت کے اعتبار سے تاریخ کے کسی دور سے پیچھے نہیں ہیں، بلکہ ازمنۂ سابقہ سے اعلیٰ و برتر ہیں، موجودہ سائنس کے حیرت انگیز اکتشافات نے انسان کو زمین کی پستی سے اٹھا کر آسمان کی بلندی تک پہنچا دیا ہے، داعیاتِ نفس کے جملہ وسائل مہیا ہیں، عشق و محبت کی ہوسناکیوں کی تکمیل میں کوئی امر مانع نہیں، حسن و جمال کی رنگینیوں سے فضائے عالم معمور ہے، عیش و عشرت، زینت و تجمل، آرام و راحت و آسائش کے وسائل کی بہتات ہے، مگر کوئی عقلمند انسان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا، کہ جس شے کا نام امن و سکون ہے، وہ عنقا ہے، دنیا کے ہر حصہ میں شورش و بدامنی کے طوفان اٹھ رہے ہیں جتنی

اضطراب کی بجلیاں کوند رہی ہیں، اور فتنہ و فساد کے شعلوں نے خرمنِ امن کو خاکستر بنا دیا ہے، کسی متنفس کو ایک لمحہ کے لئے بھی سکون حاصل نہیں،

ان حالات سے ہم ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ عالمِ انسانی بہت بڑے انقلاب کے دروازہ پر کھڑا ہے، زمانہ نئی کروٹ بدلنا چاہتا ہے اور حیاتِ انسانی ایک نئی حرکت کا آغاز کرنے والی ہے، مگر انسان کو اس وقت اس کا یقین ہوگا، جب وہ اس ہمہ گیر انقلاب کی عبوری منازل کے بعد ایک نئی کائنات کا مشاہدہ کرے گا،

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ	ہم ان کو نفس و آفاق میں اپنی نشانیاں
اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ	دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان کو حق و صداقت
(حم سجدہ ۷)	کا یقین ہو جائے گا،

یہ قانونِ قدرت ہے اور تاریخ کے ہر دور میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے، کہ جب کسی قوم نے لذات و شہوات میں غرق ہو کر ناموسِ فطرت کی توہین کی، اور اس کی ظالمانہ قوتوں نے مخلوقِ خدا کو رنج و الم میں ڈال دیا تو قدرت کی انتقامی قوتوں نے اس بدکردار قوم کے ناپاک وجود سے اپنی مقدس زمین کو پاک کر دیا، اور اس کے بعد کسی دوسری صالح قوم کو اس زمین پر بسایا، كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ،

اس دور میں اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، کہ دنیا مادہ پرستی میں حدِ اعتدال سے بہت بڑھ چکی ہے، اور مادی ترقی میں دنیا انتہائے کمال کو پہنچ چکی ہے، مگر اس کے باوجود انسان کا جو قدم بھی آگے کی جانب اٹھتا ہے، اس میں عالمِ انسانی کے لئے ہزاروں ہلاکت خیزیاں موجود ہوتی ہیں، کیا ان حالات میں کوئی عقلمند انسان اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے، کہ صرف سیم و زر کے خزائن ہی انسانوں میں امن و مساوات پیدا کر سکتے ہیں، اگر ایسا نہیں تو ہمیں سوچنا ہوگا، کہ ہمارے سماجی نظام میں کونسا نقص پایا جاتا ہے جس کی بنا پر ہماری ترقی کا ہر قدم ہلاکت و بربادی کو دعوت دے رہا ہے،

اگر دولت سے مقصود دل کی آسودگی اور امن و خوشحالی نہیں، بلکہ نفسِ دولت ہی بنے یا دولت صرف آتشیں اسلحہ کی نمائش اور قومی و نسلی رفعت و استیلاء کا ذریعہ ہے تو بدقسمت انسان قیامت تک چین کی نیند نہیں سو سکتا، اور قیامِ امن کی کوئی کوشش بارآور نہ ہوگی، جہاں تک اوقات کا تعلق ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج صرف وطنی اور نسلی قومیتوں کی عظمت و برتری کے لئے سرمایہ و دولت کے انبار لگائے جا رہے ہیں، اور ہر ملک نے ان مکروہ مقاصد کی تکمیل کے لئے دوسرے ممالک میں اپنی تجارت کا وسیع جال پھیلا رکھا ہے، کہ ان خزائن کے ذریعہ ہوائی جہاز، ٹینک، ایٹم بم، اور دوسرے ہلاکت آفرین اسلحہ تیار ہو سکیں، اور اپنی فوجی طاقت کو ناقابلِ تسخیر حد تک مضبوط اور مستحکم بنا دیا جائے، اقوامِ حاضرہ کا یہ طرزِ عمل اُن کے حسد اور رشک و رقابت کی چنگاریوں کو بھڑکانے میں تیل کا کام دے رہا ہے، اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس آگ کے شعلے کب اور کس وقت امنِ عالم کو جلا کر خاکستر کر دیں،

اس مسئلہ پر جتنا غور کیا جائے، ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ کہ موجودہ اقوام کے اقتصادی نظریات کی اندرونی بنیاد جغرافی اور نسلی قومیت کے عصباتی جذبات پر ہے، اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ جب تک ان اقوام کے بنیادی تصورات میں تبدیلی نہ ہوگی، اس وقت تک آنے والے خطرات کا سدِ باب نہیں ہو سکتا، اور یہ تبدیلی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اقوامِ حاضرہ جغرافی اور نسلی قومیتوں کے تنگ دائرے سے نکل کر ہمہ گیر اخوتِ انسانی کے وسیع دائرہ میں قدم رکھیں، اس زمانہ میں انسان کی حقیقی نجات کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اخلاقی اقدار اور ہمہ گیر اخوتِ انسانی کی علی الرغم انسانوں کی خود ساختہ عصباتی تقسیم ہے، اور نہ صرف ان کے اقتصادی نظام میں بلکہ پورے فلسفۂ اجتماع ( ) میں اس جاہلی عصبیت کا زہر سرایت کئے ہوئے تھے، اُن کی تہذیب، آرٹ، معاشرتی طور و طریق اور سیاسی و معاشی نظریے سب کے سب اس اصل پر مبنی ہیں، کہ ایک ملک کے باشندے یا ایک نسل کے افراد ایک ایسی قومیت کی تعمیر کرتے ہیں، جو دوسرے بنی نوع انسان سے کلیتہً الگ ہے، اور اس کے اجتماعی تقاضے

اور مفاد قومیتون کے مفاد سے کسی وقت ہم آہنگ نہین ہو سکتے،

ظاہر ہے کہ ہر جغرافی قومیت جب تک اپنے آپ کو دوسرے انسان سے بالکل الگ تھلگ وحدت ([illegible]) تصور کرتی رہے گی، اور اس کی ہیئت اجتماعیہ کا سنگ بنیاد وطنی تصور پر ہوگا، اس وقت تک متضاد اور مخالف قومیتون مین بھی اتحاد نہین ہو سکتا، اور اُن کے قومی مفادات مین کبھی ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے، اور یہ اسی صورت مین ممکن ہے، جب اجتماع انسانی کی بنیاد موجودہ طبقاتی (Sectional) تصورات کے بجائے شرفِ انسانی اور اس کے ہمہ گیر اصول و نظریات پر رکھی جائے،

جب تک یہ بنیادی تبدیلی پیدا نہ ہوگی، اس وقت تک قومون کے مفاد مین باہم ٹکر جاری رہے گی،

اقوامِ حاضرہ کے اقتصادی نظریے اسی خود ساختہ اور غیر فطری تقسیم پر مبنی ہین، یہی وجہ ہے کہ کیم و زر کے خزانے انسانون کی فلاح و بہبود کے بجائے اُن کی ہلاکت و بربادی کے کام مین لائے جا رہے ہین، اور اُن کے غیر فطری رجحانات نے اُن کی مدنیت کی بنیادین متزلزل کر دی ہین،

وکم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا فتلک مساکنھم لم تسکن من بعدھم الا قلیلا وکنا نحن الوارثین۔ (قصص)

ہم نے بہت سی ایسی بستیان ہلاک کین جو اپنی معیشت مین مغرور و متکبر ہو گئی تھین، اب یہ ہین اُن کے مکانات کہ ان کی ہلاکت کے بعد بہت کم آباد ہو سکتے ہین، اور درحقیقت حقیقی مالک و وارث تو ہم ہی ہین۔

اسلام کا اقتصادی نظریہ،

اسلام کے نظریۂ زندگی اور فلسفۂ اجتماع کا دائرہ پورے روئے زمین کی وسعت مین پھیلا ہوا ہے، جس مین مرز و بوم، قبیلہ و نسل اور رنگ و زبان کے امتیازی خطوط کی کوئی گنجایش نہین، اسلام کے وسیع اور عالمگیر اصول و نظریے دنیا کے تمام انسانون مین ایک وسیع روحانی اور نظریاتی اخوت پیدا کرنا چاہتے ہین، اور اس مقصد مین وہ احمر و اسود، آقا و غلام اور عرب و عجم کی کوئی تمیز روا نہین رکھتے،

یعنی اسلام کا دستورِ اخلاق و معاشرت، نظریۂ سیاست، اور فلسفۂ معاشیات، اس کے تمام تصورات وطنی اور نسلی قیود سے بالاتر اور انسانیتِ مطلقہ سے متعلق ہین، اس لئے اسلامی اصول و نظریات ہی عالمِ انسانی مین ہمہ گیر رشتۂ مودت پیدا کرنے مین کامیاب ہو سکتے ہین، اور اسلام کا نصب العین یہی ہے کہ تمام عالمِ انسانی کو ایک ایسی ہمہ گیر وحدت مین جذب کر دیا جائے جس کی بنیاد شرفِ انسانی اور ایمان و عمل پر ہے،

کونوا عباد اللہ اخوانا، (بخاری)

تم سب اللہ کے فرمانبردار بندے اور باہم بھائی بھائی بن جاؤ،

اللھم ربنا ورب کل شیئ انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ (ابوداؤد و مسند امام احمد)

اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار! مین اس بات کی گواہی دیتا ہون کہ انسان آپس مین بھائی بھائی ہین،

اسلام مین تمام انسانون کا مایۂ خمیر ایک ہی ہے، اس لئے وہ انسانون کی کسی مصنوعی تقسیم کو پورا نہین کرتا،

الا کلکم من آدم وآدم من طین (مشکوۃ)

تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا،

اگر آج کی دنیا کا انسان اس کو ماننے مین ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے، تو کرے، مگر اس کی خواہشات کے علی الرغم قانونِ قدرت ([illegible] of [illegible]) اپنا کام بہرحال جاری رکھے گا، اور ایک نہ ایک دن ایسا وقت آکر رہے گا، کہ اسلام اپنے نصب العین مین پوری طرح کامیاب ہوگا،

واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (انفال)

اللہ اپنے دین برحق کو مکمل کر کے رہے گا اگرچہ کافر اس بات کو ناپسند کرتے ہین،

اسلام کے اقتصادی نظریے ([illegible])

اخلاقی اقدار پر مبنی ہین، اور ان مین وطنی قبیلوی، نسلی اور لسانی امتیازات کو کسی قسم کا دخل نہین، اگر ان مین کوئی امتیازی پہلو ہے، تو وہ صرف شرف انسانی اور مابعد الطبیعاتی تصورات کا کسی صحیح اسلامی حکومت کا یہ مقصد نہین ہو سکتا، کہ وہ انسانون کی کسی جماعت پر صرف اس لئے جارحانہ حملہ کرے کہ اس کی قومیت ہماری وطنی قومیت سے الگ ہے، یا اس کی نسل ہماری نسل سے جدا ہے، یا اس کا رنگ ہمارے رنگ سے متفاوت ہے، اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی اس قسم کے حملہ و ہجوم ( ) کی اجازت نہین دیتا، اور اس کو قتال فی سبیل الطاغوت قرار دیتا ہے، البتہ دینی مقاصد کے لئے جہاد و قتال کا حکم دیتا ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ کوئی بیرونی طاقت مسلمانون کے فرایض مذہبی اور تبلیغ دین کی راہ مین رکاوٹ پیدا کرنا چاہئے، درحقیقت اسلام ایک آزاد "خودمختار" اسلامی حکومت کا قیام صرف اسی لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ اس کے سوا کسی شکل مین قرآنی نظام اور اسلامی قانون ( ) کا نفاذ و اجرا نہین ہو سکتا، اس کے علاوہ اور کسی مادی مقصد کے لئے اسلام مین حکومت کی کوئی گنجایش نہین، گویا اسلام مین حکومت ایک بڑے مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے اصل مقصود نہین،

الذین ان مکنّٰھم فی الارض	وہ لوگ کہ جن کو اگر ہم زمین مین غلبہ و تمکنت
اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ و	عطا کرین، تو وہ نماز ین ادا کرین زکوٰۃ
اٰمروا بالمعروف و نھوا عن	دین، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا
المنکر ( ) (حج)	فریضہ بھی ادا کرین،

متذکرہ آیت مین غلبہ و تمکنت فی الارض کو نماز، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قیود سے مقید کر دیا گیا ہے، اگر قیام حکومت کے بعد اس کے ذریعہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پوری ادائی نہ ہو سکے، اور حکومت کی طاقت نیکی کو ابھارنے اور برائی کو مٹانے مین صرف نہ ہو، تو ایسی حکومت اگرچہ اس کے چلانے والے مسلمان ہی کیون نہ ہون، اسلام کی نظر مین صحیح اسلامی حکومت نہ ہو گی، اسلام مین

ہر ایسی جنگ جو اعلاے کلمۃ الحق اور دین کی برتری کے سوا کسی دوسرے مقصد کے لئے لڑی جائے خواہ وہ اقتصادی جنگ ہو، یا رشتہ و نسل اور جغرافی قومیت کے غلبہ و استیلا کے لئے یا انتقامی جذبات کے تحت ہو، وہ جاہلیت کی جنگ ہو گی اور اسے کسی حال مین اسلامی جہاد کا نام نہیں دیا جا سکتا، قرآن حکیم نے صاف الفاظ مین جہاد اسلامی کی غرض و غایت متعین کر دی ہے،

قاتلوا حتّٰی لا تکون فتنۃ و یکون	تم جہاد کرو یہان تک کہ فتنہ مٹ جائے اور
الدین کلہ للہ	طاعت صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے،

حضرت عبد اللہ بن عمر نے فتنۃ کی تفسیر ان الفاظ مین بیان فرمائی ہے،

فقال ہل تدری ما الفتنۃ ثکلتک	حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا، تم جانتے ہو
امک انما کان محمد صلی اللہ علیہ	کہ فتنہ کیا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین
وسلم یقاتل المشرکین و کان	سے اس لئے جہاد کرتے تھے کہ ان کے دین
الدخول فی دینھم فتنۃ و لیس	مین داخل ہونا فتنہ تھا، اور آنحضرت صلی اللہ
کقتالکم علی الملک،	علیہ وسلم تمہاری طرح ملک کے لئے نہین
(بخاری کتاب الفتن)	لڑتے تھے،
عن ابی ھریرۃ قال قال رسول	جو شخص امیر کی طاعت سے باہر اور جماعت
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج	سے الگ ہو جائے، اور پھر اسی حالت مین
من الطاعۃ و فارق الجماعۃ فمات	مر جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت
مات میتۃ جاھلیۃ و من خرج	ہو گی، اور جو شخص میری امت پر حملہ آور ہو
علی امتی یضرب برھا و فاجرھا	اور نیک و بد کو قتل کرنے لگے، مومن کو
و لا یتحاشی من مومنھا و لا یفی	بھی نہ بچائے اور جن لوگون سے اس کا عہد ہے

لذی عهد نا فلیس منی ومن قاتل	ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے تو وہ میری امت
تحت رایة عمیة یدعوا الی عصبیة	سے ہرگز نہیں، جو شخص کفر کے جھنڈے کے تحت
او یغضب لعصبیة، فقتل فقتلة	عصبیت کی طرف دعوت دی، یا عصبیت کی
جاهلیة،	خاطر غضبناک ہو، اور پھر وہ اسی حال میں
(نسائی کتاب المحاربہ)	مرجائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی،

ان تصریحات سے ظاہر ہوا کہ اسلام کا سیاسی اور اقتصادی نقطہ نظر اقوام حاضرہ کے طبقاتی نقطہ ہائے نظر سے بالکل مختلف ہے، اسلام نفس انسانیت کی فلاح و نجات کا طالب ہے، اور وہ کسی طبقہ کے محض رنگ و نسل کی بنا پر جنگ نہیں کرنا چاہتا، اور نہ کسی فرقہ پر محض اس حیثیت سے اقتصادی تفوق و برتری چاہتا ہے، بلکہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کو نفس انسانیت کے اعتبار سے ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے، اور نسل و وطن کا اختلاف اس کی وسعت نظر کے سامنے حائل نہیں ہوتا۔

اس لئے یہ کہنا بالکل درست ہے، کہ صرف اسلامی نظریۂ اجتماع و سیاست کی بنیاد ہی پر پائدار اور عالمگیر رشتۂ اخوت پیدا ہو سکتا ہے، اور جب تک قوموں میں فرق و طبقات کی سبقت و اولیت کا جنون موجود ہے، اور ان کے سیاسی اور اقتصادی نظریات تنگ نظری کے زہر سے آلودہ ہیں، اس وقت تک ان کی اقتصادی اور طبقاتی جنگ بدستور جاری رہے گی،

اسلامی نظریۂ معیشت کی نوعیت اسلام کا معاشیاتی نظریہ ہر حیثیت سے اقوام حاضرہ کے اقتصادی نظریات سے مختلف اور جداگانہ ہے، اور مستقل نوعیت رکھتا ہے، اسے کسی دوسرے اقتصادی نظریہ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا، اور نہ کسی دوسرے نظریہ کی اس کی جانب نسبت کی جا سکتی ہے، اسے کسی دوسرے نظریۂ اقتصاد سے کوئی تعلق ہی نہیں،

چونکہ یہ نظریہ ہر حیثیت سے مکمل اور مستقل ہے، اس لئے یہ کسی دوسرے نظریہ کا پیوند نہیں ہو سکتا،

اور اپنا مستقل مقام رکھتا ہے جس میں کسی بیرونی دباؤ کا شائبہ تک موجود نہ ہو،

کہا جاتا ہے کہ نظام اشتراکیت اسلام سے قریبی نسبت رکھتا ہے، اس لئے کہ اس کا مقصد بھی انسانوں میں معاشی اور مجلسی مساوات قائم کرنا ہے، یہ خیال اسلامی نظریۂ معیشت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، ان دونوں میں کوئی نسبت نہیں، اسلامی نظریۂ زندگی اور فلسفۂ اجتماع احکم الحاکمین نے انبیاء علیہم السلام کے توسط سے انسانوں کو دیا ہے، جس کی بنیاد اخلاق و روحانیت پر ہے، اور اشتراکی نظریہ انسانوں کا خود ساختہ ہے، اور اس کی بنیاد تمام تر مادی ہے، پھر احکم الحاکمین کا علم ازلی و ابدی اور محیط کل ہے اس لئے اس کا بنایا ہوا نظام بھی دائمی اور ہر زمانہ، ہر ملک و قوم اور ہر طبقہ کے لئے ہے، اور اس پر زمانہ کے انقلابات و حوادث کا اثر نہیں پڑ سکتا، اور انسانوں کا بنایا ہوا نظام اُن کی محدود نظر کے مطابق ناقص محدود اور وقتی ہے، جو زمانہ کی رفتار و حالات کے ساتھ بدلتا رہتا ہے، اس لئے اسلام کا اقتصادی نظام زمانہ کے ہر اقتصادی نظام کے مقابلہ میں زیادہ مکمل جامع اور پائدار ہے،

اسلامی نظام اجتماع کے تمام اجزاء باہم مربوط ہیں، ضابطۂ اخلاق ہو یا دستور تمدن، مذہب و روحانیت ہو یا معیشت و سیاست، سب میں ایک ہی روح کارفرما ہے، جو ان تمام اجزاء میں ہم آہنگی، اور انضباط، پیدا کرتی ہے، نظام اسلامی کا ہر شعبہ جب تک اخلاقی قیود و اقدار کا پابند ہے، اور مابعد الطبیعیاتی تصورات و عقائد کے ماتحت ہے، اس وقت تک وہ اسلامی ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے، تو ظاہری ڈھانچہ خواہ کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو، اس پر اسلام کا اطلاق نہیں ہو سکتا

اب ان اصول کے ماتحت نظام اشتراکیت کے بنیادی عناصر کا تجزیہ کیا جائے، کہ اس کی تہ میں کون سے عوامل کارفرما ہیں،

نظام اشتراکیت کے عوامل عوامل سے مراد وہ تصورات ہیں، جو کسی چیز کے وجود کے محرک ہوتے ہیں، یہی تصورات اس چیز کے لئے اصل روح کی حیثیت رکھتے ہیں، نظام اشتراکیت کو جن تصورات نے

پیدا کیا ہے، یا اس نظام کے ذریعہ جس نوعیت کا انقلاب مقصود ہے اس کا اجمالی خاکہ یہ ہے،

۱۔ اشتراکی نظام مکمل طور پر انفرادیت محضہ (کی ضد ہے)

وہ انفرادیت کو کلی طور پر ختم کر دینا چاہتا ہے، افراد کی شخصی اور ذاتی ملکیت خواہ سرمایہ کی شکل مین

جائداد کی صورت مین ان سے چھین کر سٹیٹ یا جماعت کی تحویل مین دینا چاہتا ہے، انفرادی

اور ذاتی محنت کے حاصلات پر بھی سٹیٹ کو قابض بناتا ہے اس طرح معاشرت اور معاشیات کو کلیۃً جماعت کے تحت

۲۔ نظام عائلی مین تمام اخلاقی پابندیون کو اٹھا دینا چاہتا ہے، اور عورت کو ہر مرد سے اختلا

کی پوری آزادی دیتا ہے، اور اس سے جو اولاد پیدا ہو اس کو سٹیٹ کی ملکیت قرار دیتا ہے، گویا نظام

مین سلسلہ ازدواج کو کلیۃً ختم کر دینا چاہتا ہے،

۳۔ مذہبی تصورات کو مٹا کر سوسائٹی کی بنیاد معاشی نظریون پر قائم کرنا چاہتا ہے،

۴۔ ہر قسم کی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے،

اور اس انتہا پسندی کا نام کمیونزم ہے، اور جب تک یہ کام مکمل نہین ہوتا، حکومت کے تمام

ایک مطلق العنان ڈکٹیٹر کے حوالہ کرتا ہے، جسے منزہ عن الخطاء تصور کیا جاتا ہے،

۵۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، اور

ماننے والون سے کسی اخلاقی پابندی کا مطالبہ نہین کرتا،

اب دیکھنا ہے کہ متذکرہ بالا امور خمسہ کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

اسلام افراد کی ذاتی ملکیت برقرار رکھتا ہے، اگرچہ فرد کو جماعت سے الگ ہونے کی اجازت

نہین دیتا، اس نے فرد اور جماعت کے حدود و دائرے متعین کر دئیے ہین، کہ فرد کس حد تک اپنی انفر

برقرار رکھ سکتا ہے، اور کس مقام پر اس کی انفرادیت جماعت کے مفاد سے متعلق ہو جاتی ہے، اسلام

جماعتی مفاد اور انفرادیت محضہ کے بین بین ایک معتدل اور درمیانی مسلک اختیار کیا

جو فطرت کے عین مطابق ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فرد کی ذاتی صلاحیتین اسی وقت ابھر سکتی ہین جبکہ اسے کام کرنے کی پوری آزادی ہو، اور اس کے دل مین اس کام کے لئے کشش موجود ہو، اور یہ اسی صورت مین ممکن ہے جب اسے یقین ہو کہ وہ اپنی محنت کے نتائج سے فائدہ اٹھا سکے گا، اور آدمی کو اپنی مرضی کے ماتحت صرف کر سکے گا، لیکن اگر کام کرنے والے کو پہلے سے یقین ہو جائے، کہ اس کو صرف صبح و شام کا کھانا اور پہننے کے کپڑے ہی میسر آئین گے، تو اُسے کیا پڑی ہے کہ وہ اپنی جان کو مصائب و آلام کی نذر کرے، اور شوق و ذہن ہی کے ساتھ محنت و مشقت اٹھائے، لیکن اگر اس کو یقین ہو کہ اس کو اس کی محنت کا پورا صلہ ملے گا، جسے وہ اپنی مرضی سے صرف کر سکے گا، تو اس کا شوق عمل تیز سے تیز تر ہو جائیگا اور اس کی قابلیت کے جوہر نمایان ہوتے چلے جائین گے،

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام مین انسانی زندگی موت کے ساتھ ختم نہین ہو جاتی، بلکہ اس کے دو حصے ہین، حیات قبل الموت اور حیات بعد الموت، گویا حیاتِ انسانی ایک غیر منقطع سلسلہ ہے، اور دونون زندگیون مین ایک خاص قسم کا ربط پایا جاتا ہے، اور اس زندگی کی جد و جہد صرف یہین ختم نہین ہو جاتی بلکہ بعد مین آنے والی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے، گویا ہماری اس زندگی کی ہر حرکت کو آنے والی زندگی مین پورا دخل ہے، یہ عمل و سعی کی زندگی ہے، اور وہ ثمرات و نتائج کی!

ظاہر ہے کہ اس تصور کے مطابق دنیاوی زندگی مین جب تک فرد کے تشخص کو برقرار نہ رکھا جائے اور اس کو عمل کی آزادی نہ دی جائے، محاسبۂ اعمال کی کوئی صورت ہی ممکن نہین ہے، انسانی اعمال مین عبادات و معاملات دونون کو یکسان اہمیت حاصل ہے، اور جس طرح عبادت کی تکمیل اور عدم تکمیل پر ثواب و عقاب کا ترتب یقینی ہے، اسی طرح معاملات مین بھی انسان کی ہر حرکت کا محاسبہ لازمی ہے مگر اسی صورت مین جبکہ اسکی جد و جہد کو انفرادیت سے نکال کر اجتماعیت مین گم کر دیا جائے، اور فرد کی مستقل حیثیت باقی رہنے دی جائے ورنہ محاسبۂ اعمال کا تصور بے معنی ہو کر رہ جائے گا،

یہ صحیح ہے کہ اسلام نے بھی جماعتی زندگی کو بڑی اہمیت دی ہے، اور وہ فرد کو کسی حال مین جماعت سے الگ ہونے کی اجازت نہین دیتا، اور جب فرد اور جماعت کے مفاد کا سوال آجائے، تو فرد کو جماعت کے مقابلہ مین اپنے مفاد سے دست بردار ہوجانا چاہئے، بلکہ جماعت کے مفاد کے لئے فرد کی جان بھی جماعت کی ملک بن جاتی ہے، مگر اس کے باوجود اسلام نے فرد کے تشخص اور ذاتی اعمال مین اس کی خود ارادیت (Self Determination -) کو برقرار رکھا ہے، اور فرد کی اس حیثیت کے حقوق وحدود بالکل الگ ہین،

نظامِ عائلی اسلامی زندگی کا ایک اہم حصہ اور اسلام کے فلسفۂ اجتماع کا ایک مستقل باب ہے، درحقیقت عائلی زندگی کی ترقی پذیر صلاحیتیں ہی سوسائٹی کی فلاح و ترقی کی ضامن ہین، اور اسی سے اجتماعی زندگی کی شاہراہین نکلتی ہین، اسی لئے اسلام نے ازدواج کو زندگی کا ایک جزوِ لاینفک قرار دیا ہے، اور شوہر اور بیوی کے لئے الگ الگ دوائرِ عمل متعین کر دئے ہین، اور ان کی مشترکہ ذمہ داری کو بالوضاحت بیان کر دیا ہے، ولھن مثلُ الذی علیھنّ وللرجال علیھن درجۃ (بقرہ)

مسلمانون کی وحدتِ ملی کی بنیاد ہی مذہب پر ہے، اور مسلمان صرف مذہب ہی سے دوسری اقوام و ملل سے ممتاز ہین، مذہب کے سوا مسلمان کا کوئی وجود نہین،

اسلام مین اس کے نظریۂ حیات کو عمل مین لانے کے لئے خلافتِ اسلامیہ یا اقتدارِ حکومت کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر اسلامی احکام و قوانین کا اجرار و نفاذ ممکن نہین ہے یعنی حکومت و اقتدار اصل مقصد کے حصول کا ایک ضروری وسیلہ ہے، خود مقصود بالذات نہین،

اسی طرح اسلام مین کسی منزہ عن الخطار اور مختارِ مطلق ڈکٹیٹر کی گنجائش نہین جس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات قانون کا حکم رکھتی ہو، اسلام مین خلیفہ خود احکام الٰہی کا تابع ہوتا ہے، اور وہ نائبِ حق کی حیثیت سے ان احکام کو نافذ کرتا ہے، اسے یہ اختیار نہین کہ وہ ان احکام مین اپنی طرف سے کوئی رد و بدل یا ترمیم کر سکے اس کا کام صرف خدائی احکام کو اس کی اصل شکل مین نافذ کرنا ہے، اور وہ ان احکام کا خود بھی اسی طرح پابند ہوتا ہے جس طرح دوسرون کو پابند بنانا چاہتا ہے، اور مسلمانون مین جو شخص خدا اور رسول کی اطاعت مین سب سے زیادہ ممتاز ہوتا ہے، وہی مسندِ خلافت کے لئے سب سے زیادہ اہل قرار پاتا ہے،

اسلامی نصب العین کے حصول کے لئے جو جد و جہد کی جاتی ہے، خواہ وہ سعی و محنت ہو خواہ جانی و مالی قربانی، اسی کا نام جہاد ہے، اور اس کو اخلاقی بندشون مین جکڑ دیا گیا ہے، اور اس کی حدین مقرر کر دی گئی ہین، اور مختلف حالات کے لئے اس جد و جہد کے الگ الگ ضوابط مقرر ہین، جب تک یہ جد وجہد اسلام کی اخلاقی اور الٰہیاتی تصورات کی پابند رہے گی، جہادِ اسلامی کے مقدس نام سے موسوم ہوگی اور جب ان سے الگ ہوگی، وہ جہاد نہیں، بلکہ فساد فی الارض یا قتال فی سبیل الطاغوت کے نام سے موسوم ہوگی،

ان تصریحات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ اشتراکیت اور اسلام مین کوئی نسبت نہین، جو لوگ اس غلط فہمی مین مبتلا ہین، کہ سوشلزم اسلام سے مناسبت رکھتا ہے، وہ ایک بڑی سخت غلطی مین مبتلا ہین درحقیقت موجودہ جاہلی نظامات مین سب سے زیادہ مکروہ اور خطرناک نظام اشتراکیت ہے،

اشتراکیت کی حدِ رسائی اشتراکیت کا مطمحِ نظر انسانون کی معاشی الجھنون کو حل کرنا اور ایک ایسی پُرسکون اور آزاد فضا تیار کرنا ہے، جس مین کوئی انسان اقتصادی اور معاشی اعتبار سے کمزور اور پس ماندہ نہ رہنے پائے، اور کوئی ایک طبقہ ملک کے وسائل معیشت پر تنہا تسلط نہ رکھ سکے، اور ملک کے ذرائع آمدنی سے ملک کا ہر باشندہ مساوی طور پر فائدہ اٹھا سکے، اس مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کی پیداوار اور تمام کارکن قوتین سٹیٹ کی ملکیت قرار دی گئین،

اشتراکیین جن تصورات پر جدید انسانی سوسائٹی کی تعمیر کرنا چاہتے ہین، وہ محض منفی ہین یعنی عدم ملوکیت عدم ملکیت ذاتی عدم تشخص ذاتی، عدم تصرف ذاتی، خدا اور مذہب کی نفی، اخلاق و روحانیت کی نفی بلکہ آگے

چل کر ہر قسم کی حکومت کی نفی، غرض اس نظام کی تمام وقعات نفی سے سروع ہو کر نفی ہی پر ختم ہو

ع لا اسلاطین، لا کلیسا، لا الٰہ،

حالانکہ حیاتِ انسانی بذاتِ خود مثبت چیز ہے اور اس مثبت کے لئے جو نظام مرتب کیا گیا ہے، ا
تمام تر منفیات کا مجموعہ ہے، انسانی زندگی جب خود مثبت ہے تو اوس کی فلاح و ترقی کسی مثبت نظا
ہی سے ہو سکتی ہے،

لا و الا احتساب کائنات — لا و الا فتح بابِ کائنات؛
لا و الا ساز و برگِ امتان — نفی بے اثبات مرگِ امتان (اقبال

اس سے قطع نظر انسان صرف جسم کا نام نہین، بلکہ اس کی ترکیب مین ایک دوسرا جوہر بھی شامل
جو جسم پر حکومت کرتا ہے، اور جسم کی حس و حرکت کا سرچشمہ ہے، حیاتِ انسانی کے ان دونون اجزا مین
طرح کا ناقابلِ انفکاک ربط پایا جاتا ہے، اس کے فلاح کے لئے ایک ایسے نظامِ حیات کی ضرورت ہے
جو اپنی ترکیبی نوعیت کے اعتبار سے حیاتِ انسانی کے اجزائے ترکیبی سے مناسبتِ تامہ رکھتا ہو، اور اس
کے اجزا مین بھی اس قسم کا گہرا ربط موجود ہو،

اس لحاظ سے اگر اشتراکی نظام کا تجزیہ کیا جائے، تو اس کا کوئی جزو بھی ایسا نہین، جو ابعادِ جسم
سے اتر کر روحِ انسانی کے مقتضیات کی بھی تکمیل کرتا ہو، اخلاقی اور مابعد الطبیعیاتی تصورات تو اس ک
پاس تک نہین پھٹکنے پاتے، اور وہ خدا و مذہب سے پیچھا چھڑانے ہی مین انسان کی نجات تصور کرتا ہے، ج
جسم کی راحت و آسایش اس کا مطمحِ نظر ہے، اور اوس نے حیاتِ انسانی کی وسیع ضرورتون کو صرف
ایک ادنیٰ درجہ کی ضرورتِ انسانی کے تابع بنا دیا ہے، گویا انسانی زندگی کا منتہائے کمال یہی ہے
اس کے پیٹ کی آگ کے لئے ایندھن کی کوئی کمی نہ رہ جائے،

اوپر یہ کہا جا چکا ہے کہ حقیقی امن و راحت کا تعلق مادی خزائن کی کثرت اور وسائلِ معیشت کی

سے اتنا نہین جتنا کہ انسان کے قلب نظر سے ہے، اور جسمانی راحت، دل اور روح کی طمانیت و تسکین
کے لئے کافی نہین، بلکہ اس کے لئے کسی اور ہی غذا کی ضرورت ہے، اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (آیہ)

حقیقت یہ ہے کہ جب تک حیاتِ انسانی کے تمام اجزا مین ربط و تسلسل کو قائم نہ رکھا جائے، اور اس
کے ہر جزو کو اس کے اصل مقام پر نہ رکھا جائے، اس وقت تک زندگی کے مسائل کسی شکل مین حل نہ ہو سکے،
فسادِ انسانیت کا اصل سبب یہ ہے کہ زندگی کے کسی ایک جزو کو اس قدر اہمیت دیدیجاتی ہے، کہ دوسرے
اجزا کسی ایک جزو مین سمٹ کر رہ جاتے ہین یا اُن کو کسی ایک جزو کے تابع بنا دیا جاتا ہے، اور ان
کی مستقل حیثیت باقی نہین رہتی نظامِ اشتراکیت مین اقتصادی مسئلہ کو اس قدر اہمیت دیگئی ہے کہ زندگی
کے تمام مسائل یا تو سرے سے ختم ہو کر رہ گئے ہین، یا اس کے لئے تابع محل کی حیثیت رکھتے ہین،

اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین تمام حیاتیاتی ضرورتون کی علیٰ قدرِ مراتب رعایت کی گئی ہے
حیاتِ انسانی کا کوئی شعبہ ایسا نہین جو اسلام کی نظرِ التفات سے محروم رہ گیا ہو، اور ہر شعبہ کو اسی مقام
پر رکھا گیا ہے، جس کا وہ مستحق ہے، (باقی)

کتب خانہ ٹونک کے بعض مخطوطات

از

جناب مولوی ابوالطیب عبدالرشید صاحب لاہور

راقم سطور کو اپنے زمانہ قیام ٹونک میں پہلی بار اس کے کتب خانہ کے دیکھنے اور وہاں کی نادر قلمی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا، دورانِ مطالعہ میں جو قابلِ ذکر قلمی کتابیں نظر سے گذرتی تھیں اُن کے متعلق اس خیال سے مختصر کیفیت بطور یادداشت لکھ لیا کرتا تھا، کہ آئندہ کسی وقت اس امر کو مرتب کرکے پیش کیا جائے گا، اسی خیال کے ماتحت آج تقریبًا، سال کے بعد اُس یادداشت کو مضمون کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے، جو انشاء اللہ تعالیٰ اہلِ علم کی دلچسپی کا باعث ہوگا، اور بعض قلمی کتابوں کے متعلق مفید معلومات حاصل ہوں گے،

کتابوں کے تذکرہ سے پہلے کتب خانہ کی تاریخ کے متعلق حضرت الاستاذ العلام ابو عبداللہ محمد السورتی (م ۱۹۴۲ء) اور ٹونک کے دیگر اہلِ علم حضرات سے کتب خانہ کے متعلق مجھے جو کچھ معلوم ہوسکا ہے، اُس کو لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس سے کتب خانہ کی تاریخ بھی سامنے آجائے گی،

یہ کتب خانہ اپنی قدامت اور نوادر کتب کے ذخیرہ کے لحاظ سے شمالی ہند مثلاً لکھنؤ، رام پور، اور پٹنہ کے مشرقی کتب خانوں سے کسی طرح کم نہیں ہے، لیکن ریاست کی بے اعتنائی کے باعث اب تک گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا ہے، اس لئے اکثر اہلِ علم حضرات کتب خانہ ٹونک اور اس کی بیش بہا علمی نوادرات سے قطعًا ناواقف ہیں،

اس کتب خانہ کو سب سے پہلے نواب محمد علی خان بہادر نے اپنے زمانہ نظر بندی میں بنارس میں فراہم کرنا شروع کیا تھا، اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے عبدالرحیم خان صاحب جو بڑے ذی علم اور متقی تھے، کتب خانہ کو بنارس سے منتقل کرکے ٹونک لے آئے اور اپنی حویلی میں رکھا، صاحبزادہ مرحوم نے دیوان شمس الدین (قافلہ) کا کتب خانہ خرید کر اُسے بھی اس کتب خانہ میں شامل کیا، جب تک صاحبزادہ صاحب زندہ رہے، کتب خانہ میں کتابوں کا اضافہ فرماتے رہے، اُن کے انتقال کے بعد کتب خانہ ان کے چھوٹے صاحبزادہ عبدالمنعم خان صاحب کے قبضہ میں آیا، وہ بھی اپنے پیش رو بزرگوں کی طرح کتب خانہ کی ترقی میں کوشاں رہے، اُن کے انتقال کے بعد خاندان میں کوئی ایسا علم دوست نہیں رہا، جو بزرگوں کی اس علمی وراثت کی حفاظت اور نگرانی کرتا، اس لئے ریاست نے اوس کو اپنی نگرانی میں لے لیا اور موجودہ فرمانروائے ٹونک ہز ہائینس سعید الدولہ نواب سر سعادت علی خان بہادر بالقابہ کے عہد میں کتب خانہ صاحب زادہ عبدالرحیم خان بہادر کی حویلی سے منتقل ہوکر ایک عالی شان سرکاری عمارت میں آگیا ہے،

کتب خانہ کی موجودہ حالت نہایت خراب ہے، فہرستیں ناکمل اور ناقص ہیں، مخطوطات کی علیحدہ کوئی فہرست نہیں، مطبوعات اور مخطوطات کے لئے ایک ہی فہرست ہے، مخطوطات پر کوئی تشریحی نوٹ بھی نہیں، چنانچہ راقم سطور کو ٹونک لائبریری کی فہرست سے قطعًا کوئی مدد نہیں ملی، اور خود ہر کتاب کے متعلق تحقیق کرنی پڑی ہے، اس لئے ریاست کو کتب خانہ کی جانب توجہ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے اس کی ادنیٰ توجہ سے یہ کتبخانہ بھی شمالی ہند کے مشرقی کتب خانوں کی طرح شہرت و اہمیت حاصل کرسکتا ہے،

علوم قرآنی | (۱) تفسیر زاد المسیر فی علم التفسیر، یہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد بن علی القرشی التیمی البکری البغدادی، الفقیہ الحنبلی الواعظ الملقب بہ جمال الدین الحافظ (م ۵۵۶ھ)

کی تصنیف ہے، کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ بخط نستعلیق خوشخط موجود ہے، جو سورۂ صافات سے آخر قرآن تک ہے، کتاب کا طرز بیان نہایت صاف اور سادہ ہے، جس کو معمولی استعداد کا عربی طالب علم بھی بلا تکلف سمجھ سکتا ہے،

(۲) تیسیر البیان لاحکام القرآن: یہ علامہ جمال الدین محمد بن علی بن عبد اللہ المعروف با بن نور الدین الیمنی کی تصنیف ہے، ابتدا میں یہ عبارت ہے:-

"الحمد للہ الذی خلق الانسان وعلمہ القرآن" الخ

مصنف نے اس میں صرف اُن آیات کی تفسیر کی ہے جو احکام سے متعلق ہیں ۸۷۸ھ میں اس کی تصنیف سے فراغت ہوئی، کتاب پر سنہ کتابت اور کاتب کا نام درج نہیں ہے لیکن نسخہ قدیم لکھا اور صاف لکھا ہوا ہے، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں بھی ہے، جو ۱۱۶۹ھ کا لکھا ہوا ہے، دوسرا نسخہ کتاب خانہ رامپور میں ۱۱۶۸ھ کا نوشتہ محفوظ ہے،

(۳) کثیر الفوائد فی تصریح وتوضیح امثال القرآن

موضوع کتاب کتاب کے نام سے ظاہر ہے، امثال القرآن کے موضوع پر یہ بہترین کتاب ہے، چھوٹی تقطیع کے ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، سنہ تصنیف میں نسخہ کے آخر میں یہ عبارت ہے:-

"وکان الفراغ من تسوید ہذہ النسخۃ الشریفۃ فی یوم الجمعۃ شہر رمضان المبارک سنۃ ۱۲۳۰ھ"

(۴) اسئلۃ القرآن

یہ کتاب محمد بن ابی بکر عبد القادر الرازی المتوفی سنۃ ۶۶۶ھ کی تصنیف ہے، جن کی عربی لغت میں مختار الصحاح مشہور اور متداول کتاب ہے، یہ نسخہ مختلف رنگ کے نفیس گل بوٹے کاغذ پر بخط نستعلیق لکھا ہوا ہے، تقطیع متوسط، ضخیم، ابتدا اس طرح ہے، قال الفقیر الی رحمۃ ربہ ومغفرتہ الخ

یہ کتاب اعراب القرآن للعکبری مطبوعہ مصر کے حاشیہ پر طبع ہو چکی ہے،

۵۔ تفسیر ایجاز البیان لمعانی القرآن: یہ نجم الدین ابو القاسم محمود بن ابی الحسن النیشاپوری القزوینی کی تصنیف ہے، کتاب کا سنہ تصنیف معلوم نہ ہو سکا، مصنف نے یہ کتاب شہر خجند میں تصنیف فرمائی ہے، اس کا نسخہ اکثر جگہ سے کرم خوردہ ہے، کتابت قدیم طرز کی اور چھوٹی تقطیع کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، کتاب کا آغاز یوں ہوتا ہے:- "نحمد اللہ یرحمہ وانزلہ" الخ

۶۔ غریب القرآن المسمی بنزھۃ الخاطر وسرور الناظر للامام اللغوی فخر الدین محمد بن علی النجفی الطریحی،

یہ نسخہ بھی قدیم الخط ہے، مگر نہایت اچھی حالت میں ہے، سنہ کتابت اور کاتب کا نام درج نہیں ہے، یہ کوئی مستقل کتاب نہیں ہے، بلکہ امام ابی بکر محمد بن عزیز سجستانی (م سنہ ۳۳۰ھ) کی کتاب "غریب القرآن" کو جدید ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے، مقدمہ میں مؤلف اس کی اس طرح تصریح کرتا ہے:-

"انی عثرت بکتاب غریب القرآن المسمی بنزھۃ القلوب وفرحۃ المکروب تالیف ابی بکر محمد بن عزیز السجستانی دمائلتہ واذا ہو کتاب فائق رائق عجیب غریب الا المطلوب فیہ یعسر تناولہ للقصور فی ترتیبہ والخلل فی تبویبہ فاستخرت اللہ تعالیٰ علی تغییر ذالک الترتیب علی وجہ لترضی فشرعت فیہ ورتبتہ علی ابواب الحروف الہجائیۃ" الخ

۷۔ تفسیر القرآن للشیخ الاجل الشاہ اہل اللہ بن الشیخ عبد الرحیم الدہلوی: یہ عربی میں قدیم مفسرین کے طرز کی تفسیر ہے، عبارت نہایت پاکیزہ، شستہ اور صاف ہے، شاہ صاحب نے اس میں اہل تصوف کے مذاق کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے

بیہقی عصر حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح کی تفسیر مظہری سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، اس میں اختصار ہے، اور قاضی صاحب کی تفسیر میں تفصیل ہے،

راقم سطور نے شاہ اہل اللہ صاحبؒ کے مفصل حالات معلوم کرنے کے لئے مختلف عربی فارسی تذکرون کی ورق گردانی کی، اور خط و کتابت کے ذریعہ اہلِ علم حضرات سے دریافت بھی کیا، مگر کہین سے کامیابی نہو سکی، اور نہ آپ کی تصنیفات کے متعلق کچھ معلوم ہو سکا،

صرف الیانع الجنی" کے مطالعہ سے اتنا پتہ چل سکا، کہ آپ شاہ ولی اللہ رح کے بھائی ہین، اور احادیث ہدایہ کی تخریج پر آپ کی ایک تصنیف ہے،

اس سے زیادہ حالات شاید الیانع الجنی "کے مؤلف کو بھی نہین معلوم ہو سکے، یانع کے الفاظ یہ ہین:

دکان لولی اللہ اخ یسمی الشیخ اھل اللہ کان من اھل اللہ واھل العلم بہ لم یبلغنی من خبرہ فوق ان لہ کتابا لطیفا فی تخریج احادیث الھدایۃ رائیت لہ الابواب الاربعۃ مختصر فیہ کلمات جامعۃ یکثر نفعھا رحمہ اللہ تعالیٰ"

کتاب کے آخر مین یہ عبارت ہے :-

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین اولا واخرا الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ وانا الفقیر المفتقر الی اللہ الکریم اھل اللہ بن عبد الرحیم احسن اللہ الیہ والی والدیہ بفضلہ العمیم والسلام علی من اتبع الھدیٰ،

نقہ اور اصولِ فقہ مین بھی آپ کی عربی مین دو معرکۃ الآراء تصنیف ہین، مختصر الہدایہ اور رسالہ اصولِ فقہ" پہلی کتاب فقہ حنفی کی مشہور متداول کتاب ہدایہ کا خلاصہ ہے، یہ خلاصہ اس قابلیت کے ساتھ کیا گیا ہے، کہ کتاب کا اصل مضمون نہین چھوٹا ہے، لیکن لاحاصل تطویلات اور فقیہانہ مناقشات کو یکسر قلم انداز کر دیا ہے، حتی کہ صاحبین اور طرفین کے اختلافی مسائل تک نظر انداز فرما دیئے ہین، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فقہی مسلک کو پیش کیا ہے اور اس کے ذیل مین ہر مسئلہ کی تائید و توثیق مین صحاح اور دوسری مستند کتب احادیث سے حدیثین نقل کی ہین،

غالبًا اسی کتاب کے متعلق مؤلف یانع کو تخریج ہدایہ کا شبہ ہو گیا ہے، راقم کے پاس یہ دونون کتابین صحیح و سالم قلمی موجود ہین، "مختصر الہدایہ" کا نسخہ حضرت مولانا عبد القیوم م ۱۲۹۹ھ بن الشیخ عبد الحی البڈھانوی خلیفہ سید نا سید احمد شہید کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ حضرت مولانا حبیب الرحمن خان شروانی رئیس بھیکم پور (ادام اللہ فیوضہ العلیہ) کے کتب خانہ مین میری نظر سے گذرا ہے، اس کا ایک ناقص نسخہ مکتوبہ ۱۱۵۹ھ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد مین فنِ فقہ کے تحت نمبر ۸۱۲ پر موجود ہے، جو کتاب النکاح سے کتاب المزارعہ تک ہے، ایک محترم دوست سے معلوم ہوا ہے، کہ مختصر الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ علامہ ادیب عبد العزیز الاثری المیمنی صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ابقاہ اللہ تعالیٰ راعیا للعلم والادب کے پاس بھی ہے،

رسالہ اصول فقہ یہ رسالہ باوجود صغیر الحجم ہونے کے اصول فقہ کا نہایت جامع رسالہ ہے، اور اصول شاشی اور حسامی کی طرح عبارت مین اس قدر ایجاز و اختصار سے کام نہین لیا گیا ہے جس سے کتاب کا مطلب سمجھنا طلبہ پر دشوار ہو جائے، یہ رسالہ عبارت اور طرز بیان کے اعتبار سے متداول اصولی رسالون سے بدرجہا بہتر معلوم ہوتا ہے، اولہ :-

الحمد للہ رب العالمین والصلوات والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فیقول الفقیر المفتقر الی

رحمة الله الكريم محمد اهل الله بن الشيخ عبد الرحيم غفر الله له

ولوالديه واحسن اليهما واليه هذا ابتها يجب استحضاره في علم

اصول الفقه الخ

میرے پاس جو نسخہ ہے وہ والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین محدث بریلی م ۰ ر صفر ۱۳۶۳ھ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، مرحوم نے اس رسالہ کو بنگلور (مدراس) کے زمانۂ قیام میں کسی قلمی نسخہ سے نقل فرمایا تھا، کہیں کہیں معمولی سی بیاض چھوٹی ہوئی ہے، قابل طبع رسالہ ہے،

۱۰- المقدمة في اصول الترجمة، یہ رسالہ بزبان فارسی حکیم الامت سیدنا الشیخ ولی اللہ ابن عبد الرحیم کی تصنیف ہے، گو یہ ۱۲-۱۳ صفحے کا مختصر رسالہ ہے، مگر مضمون کی ندرت اور خصوصیات کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے، ترجمۂ قرآن کے فن پر اپنے طرز کا یہ پہلا رسالہ ہے، فن ترجمۂ قرآن کی جن خصوصیات کا اس رسالہ میں ذکر کیا گیا ہے، ان کا اپنے ترجمۂ قرآن (فتح الرحمن) میں التزام رکھا ہے، یہ رسالہ شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے، جو رسالہ فتح الرحمن کے بعض مطبوعہ نسخوں کی ابتدا میں چھپا ہوا ہے، وہ زیر نظر رسالہ کے علاوہ ہے، یہ نسخہ ۱۲ رجمادی الثانی ۱۲۲۷ھ کا لکھا ہوا ہے، کاتب کا نام محمد علی الحسینی السقطی ہے، اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ مولانا سید نور الحق علوی استاذ اورنٹیل کالج لاہور کے یہاں بھی ہے، ان دونوں نسخوں میں کہیں کہیں الفاظ میں زیادتی وکمی کا معمولی سا فرق ہے،

"اکتوبر ۵۸ء کے برہان دہلی میں اسی مقدمہ کو مختصر نوٹ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، برہان کا یہ شائع کردہ رسالہ راقم سطور کے ٹونک لائبریری کے نسخہ سے نقل کیا ہوا ہے"،

اس نسخہ کے طبع کرنے میں بڑی عجلت سے کام لیا گیا ہے، ضرورت تھی کہ اس کے دوسرے نسخوں کو تلاش کرکے اُن سے تصحیح و مقابلہ کے بعد شائع کیا جاتا، راقم سطور نے مختلف نسخوں کی مدد سے اس کی تصحیح کرلی ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اسے شائع کیا جائے گا،

۹- طیبی شرح مشکوٰة المصابیح، یہ علامہ حسین بن عبد اللہ بن محمد الطیبی م ۷۴۳ھ کی نہایت معتبر تصنیف اور مشکوٰة کی شروح میں سب سے پہلی شرح ہے، یہ نسخہ جابجا سے ناقص ہے، مگر کتابت نہایت اعلیٰ ہے،

اوّلہ:- الحمد لله الذي هو العزيز الحكيم وهو الرحمن الرحيم الخ

اصول حدیث میں بھی آپ نے ایک تصنیف کی ہے، ٹونک میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے، طیبی کے ساتھ اگر اس کتاب کو بھی مولانا حبیب الرحمن خان شروانی مدظلہ طبع کرادیں تو بہتر ہو،

(۱۱) ضوء المشکوٰة حاشیہ مشکوٰة، یہ ہندوستان کے جلیل القدر ادیب شاعر علامہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی تصنیف ہے، کتاب کا آخری باب، "باب علی الولاة في التبنية" ہے، خطبہ کے بعد لکھتے ہیں،

"وبعد فيقول الفيض السهارنفوري وقد صين من كل شر وعين

انى لما نفضت يدي من تعليقات الجلالين ثنيت عناني الى حل المشكوة

غير مكترث بزين ولا شين ولا مبال بما يصيب كل هين ولين

مما قال فيمن ضل وزل ولم يفرق بين العين والغين فشرعته

متحاماً للاسماء والانساب ومصرحاً للمناسبة ما في الباب بالباب

وكاشفاً فيه عما يستعمله العرب وباحثاً عما يليق لفنون الادب

وموفقا بين المتنافيين ورافعاً للتنافي الظاهر البين على قدر علمي و

فهمي لله ودري ان اصاب سهمي ولم اقتف الشراح ولم ابحث

عن المسائل فان الفقه كافل لهما ونعم الكافل وسميته بضوء

المشكوة وعسى ان يكون ان تلقى بالقبول والله المستعان على

ما اقول وھو نعم المسئول ھذا اداالدعاء وجود الخطاء معفو،

(۱۱) **حاشیہ مشکوٰۃ** (عربی) مصنف کا نام عطاء اللہ بن فضل شیرازی نیشاپوری المعروف بجمال حسنی ہے، طبقات شاہجہانی میں لکھا ہے کہ میر جمال الدین عطاء اللہ نے ہرات میں وفات پائی، صاحب کشف الظنون نے اُن کی وفات سنہ ۱۰۰۰ھ میں لکھی ہے،

یہ نسخہ بخط عربی خوشخط ہے، اول ص مطلا ہے اور جدول آسمانی ہے، کتاب کے آخر کی ان عبارتوں

تمت الحاشیۃ بحمد اللہ وعونہ وحسن توفیقہ فی سنۃ الف وثمانین زائدا علیہ التسع من الھجرۃ النبویۃ علیہ الصلوٰۃ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین،

"شرحت ھذہ الحاشیۃ فی بلدۃ لاھور حفظہا اللہ من الآفات فی عھد ابی المظفر محی الدین اورنگزیب وا ۱۰۸۹ سنۃ من جلوس تسع عشر

سے بظاہر دھوکا ہوتا ہے کہ ۱۰۰۰ھ میں مصنف کا انتقال ہوا ہے، تو ایسی حالت میں ۱۰۸۹ھ سنہ تصنیف کس طرح ہو سکتا ہے، لیکن درحقیقت یہ سنہ کتابت ہے سنہ تصنیف نہیں،

کتاب کے سرورق پر ہے "وھی خلاصۃ الطیبی"

(۱۲) **لمعات التنقیح علی مشکوٰۃ المصابیح للشیخ عبد الحق حنفی المحدث الدھلوی** (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) یہ نسخہ قدیم الخط دو ضخیم جلدوں میں ہے، کاغذ گلہ زرسفید ہے، پہلی جلد نہایت خوشخط خفیف سی کرم خوردہ جلد دوم بادامی مجدول شنجرفی وسیاہی پہلے ورق کے ص پر یہ عبارت ہے:-

"حاجی عبد اللہ خلیفہ شیخ عبد الرزاق بن شیخ امام الدین قادری اور یہ مہر ثبت ہے، [شیخ عبد القادر]

(۱۳) **جواہر الاصول فی حدیث الرسول**[1]، یہ ابوالفیض محمد بن محمد علی الفاسی کی

---

[1] اس کا ایک قلمی نسخہ ساڑھے دس نمبر میں ایک محترم دوست کے یہاں میری نظر سے گذرا ہے، جو حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نسخہ سے منقول ہے،

تصنیف ہر اوّلہ:-

الحمد لمن اصح حدیث کلامہ القدیم والصلوٰۃ والسلام علی من احسن کلامہ حدیثہ القدیم وعلی آلہ وصحابہ سراۃ ھداۃ الصراط المستقیم،

آخر کی عبارت ہے:-

استراح منہ ان الکاتب من تحریرھا وتسطیرھا فی ضحوۃ الخمیس الذی کان السابع والعشر من ذی القعدۃ وقد مضی من الھجرۃ المصطفویۃ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۱۴- **لباب الاصول فی اصول الحدیث**، یہ عربی میں اصول حدیث میں مختصر رسالہ ہے، مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا،

۱۵- **مدارج الاخبار و معارج الآثار من مشارق الانوار**، ہندوستان میں فن حدیث پر دو کتابیں لکھی گئی ہیں، مشارق الانوار اور کنز العمال، ان دونوں میں اولیت کا فخر مشارق الانوار کو حاصل ہے، اس کتاب میں اوّل الذکر کتاب کو فقہی تبویب پر مرتب کیا گیا ہے، یہ نسخہ نہایت قدیم الخط ہے، فن حدیث کے تحت نمبر ۱۱۹ پر محفوظ ہے،

۱۶- **شمائل ترمذی بحواشی علامہ ابن حجر عسقلانی و میرک شاہ وغیرہ**

یہ نسخہ بتقطیع متوسط ۱۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، سنہ کتابت کی عبارت حسب ذیل ہے،

قد فرغ من تحریر ھذہ النسخۃ الشریفۃ المبارکۃ المسماۃ لشمائل النبویۃ المصطفویۃ الفقیر الی اللہ الصمد محمد بن سید پیر محمد فی تاسع عشر من ربیع الاول سنۃ الف ومائۃ وتسعۃ من الھجرۃ

اس کے علاوہ شمائل کے اور دو قلمی نسخے بھی کتب خانہ میں ہیں، جو ۱۱۹۱ھ و ۹۰۹ھ کے نوشتہ ہیں،

(۱۷) اشرف الوسائل فی شرح الشمائل (عربی) مصنف کا نام احمد بن علی الہیثمی الانصاری مصری (المولود ۹۰۵ھ المتوفی ۹۷۳ھ) ہے قاضی زکریا کے شاگرد ہیں، مکہ معظمہ میں ۹۷۳ھ کے بعد انتقال فرمایا، حجر ان کے اجداد میں کسی کا نام یا لقب تھا، اسی نسبت سے ابن حجر کی مشہور ہوئے، نسخہ بخط نسخ خوشخط لیکن خفیف کرم خوردہ ہے،

اولہ:- الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وبعد فہذہ لاعجالۃ علقتہا علی مشکل شمائل الامام الحافظ ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ (بفتح المہملۃ فسکون)

مقدمہ میں ہے:-

"لما قرئ علی فی رمضان سنۃ تسع واربعین وتسعمائۃ (۹۴۹) بالمسجد الحرام المکی الخ وسمیتہا اشرف الوسائل الی فہم الشمائل واسئال اللہ قبولہا (آمین)

(۱۸) شرح شمائل، یہ شرح شیخ عبد الرؤف المناوی (م ۱۰۳۲ھ) کی تصنیف، ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، یہ نسخہ ۱۰۳۲ھ کا مکتوبہ ہے، آخر میں یہ عبارت ہے،

تم الشرح المبارک بعد العصر من یوم السبت السادس عشر من شہر رمضان المعظم سنۃ ۱۰۳۲ھ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم علی ید الفقیر محمد بن احمد المطری،

کتاب کے سرورق پر ہے:- ہذا الشرح للشیخ عبد الرؤف المناوی المتوفی سنۃ ۱۰۳۲ھ

یہ شرح مولانا عصام الدین الاسفرائنی اور علامہ ابن حجر الہیثمی کی کی شرحوں کے بعد شمائل کی تیسری شرح ہے جس میں پہلی دو شرحوں کی تہذیب و تنقیح کی گئی ہے، مقدمہ میں لکھتے ہیں،

ان ممن تصدی بحل شرحہا وحل المد فقین مولانا عصام الدین الاسفرائنی فاتی بما لم یسبق الیہ من کشف النقاب عن اسرارہا الکثیرۃ من الاحتمالات العقلیۃ فی ہذا لفن الذی ہو من الفنون النقلیۃ مع ما ہو علیہ من الانفام حتی عد ذالک من سقطات الاوہام وتلاہ العالم النحریر الشہید بابن حجر الہیثمی نزیل المکۃ المکرمۃ فاطال واطاب الخ،

(۱۹) شرح شمائل مولانا عصام الدین ابراہیم بن محمد الاسفرائنی (م ۹۴۳ھ) کی شرح شمائل کا بھی قلمی نسخہ کتب خانہ میں محفوظ ہے،

(۲۰) الخیر الکثیر اور التفہیمات یہ دونوں رسالے ایک مجموعہ میں نہایت پاکیزہ خط میں لکھے ہوئے ہیں، مجلس علمی ڈابھیل سورت سے یہ دونوں رسالے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، حضرت شاہ صاحب کے پہلے مسودہ سے منقول ہونے کے باعث ان کی قدر و قیمت باوجود چھپ جانے کے بہت زیادہ ہے، یہ دونوں نسخے ٹونک لائبریری کے گوہر نایاب کہلانے کے مستحق ہیں،

مجموعہ کے سرورق پر یہ عبارت ہے،

"تفہیمات حضرت قدوۃ العلماء مولوی شاہ ولی اللہ صاحب منقول از مسودہ اول قلمی خط فارسی کاغذ سفید، در کتب خانہ یمین الدولہ وزیر الملک نواب محمد علی خان بہادر دام اقبالہ والی ٹونک سنہ ۱۲۹۰ھ داخل گردید"

اس عبارت کے ذیل میں جو مہریں ثبت ہیں، ایک مہر محمد علی خان بہادر کی اس طرح سجع ہے

نگہبان دین محمد علی

دوسری مہر وزیر الدولہ امیر الملک محمد وزیر خان نصرت جنگ کی ہے، اسی مجموعہ مین سات صفحون کا ایک رسالہ مصطلحات الحدیث کا بھی ہے اس پر بھی نواب محمد علی خان کی مہر ہے،

(۲۱) مجموعہ رسائل حجۃ الاسلام سیدنا اسمٰعیل شہیدؒ، اس مجموعہ مین ایک رسالہ ہے جس مین حضرت شہید نے ہم عصر علمائے شاہجہان آباد (آگرہ) کے فتاوٰی پر تنقید فرمائی ہے، مقدمہ مین لکھتے ہین:-

"پس ازین اجوبہ مفصلہ بعض سوالات است کہ علمائے شاہجہان آباد در اجوبہ آنہا اجمالے مخل بکار بردہ اند و بدین سبب بعض عوام در اوہام باطلہ افتادہ اند ابتغاءً لرضوان اللہ برائے دفع شبہ عوام تفصیل پرداختم، وھو حسبی ونعم الوکیل ونعم المولیٰ ونعم النصیر،

دوسرا رسالہ علم عقائد" مین ہے، اس رسالہ کا آغاز یہ ہے:-

"من العبد الذلیل الراجی لرحمۃ اللہ الجلیل محمد اسماعیل تجاوز [illegible] عما قل وکثر

تیسرا رسالہ اصول حدیث" پر ہے، جس مین احادیث کے اخذ و استناد کے سلسلہ مین ائمہ اربعہ [illegible] نقطہ نظر اور محور فکر واضح فرمایا ہے، جس کے مطالعہ سے ائمہ اربعہ کی فقہ مین جو اختلاف بادی النظر مین [illegible] آتا ہے، اس کی حقیقی علت سمجھ مین آجاتی ہے، اس حقیقت کے سمجھ لینے کے بعد درس حدیث مین کسی مذہب کے پیرو کو اپنے مسلک کی تائید اور تقویت کے لئے متعارض احادیث مین دور از کار تاویلات کرنے کی قطعاً گنجایش باقی نہین رہتی، اس رسالہ سے موجودہ جماعتی نقطۂ نظر کے طریقۂ تعلیم حدیث مین اصلاح ہو سکتی ہے، قابل طبع رسالہ ہے،

استفسار و جواب

شاہ نعمت اللہ ولی اور ان کا قصیدۂ پیشینگوئی

(۱)

محمد عاصم صاحب انسپکٹر آبکاری
ڈابرا اینڈ کو، ڈالی گنج لکھنؤ

"شاہ نعمت اللہ ولی کے مختصر حالات، مثلاً ولادت، وفات، سکونت، خاندان، سلسلۂ طریقت وغیرہ کے بارہ مین معلومات درکار ہین، نیز ان کا مفصل حال کس کتاب مین مل سکتا ہے، شاہ صاحب کا قصیدہ کہان دیکھنے مین آسکتا ہے، اور اس کا صحیح نسخہ کہان ہو سکتا ہے؟ کیا اس کی اشاعت اب بھی ممنوع ہے؟"

(۲)

جناب رشید احمد صاحب منعمی
تسنیم محل رانچی

شاہ نعمت اللہ ولی کا قصیدہ پیشین گوئی "شکست ہندوستان" کے عنوان سے روزنامہ قندیل کراچی مین شائع ہوا ہے، اس کا تراشہ روانہ ہے، کیا یہ انہی کا قصیدہ ہے؟ اس کی تحقیق مطلوب ہے،

(۱)

معارف:- شاہ نعمت اللہ ولی کے اس قصیدہ کے متعلق اور دوسرے کئی مقامون سے بھی استفسارات آئے ہین، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ان دنون مسلمانون مین ایسی پیشین گوئیون سے سہارا پکڑنے کا میدان بڑھتا جاتا ہے، یہان تک کہ فرضی قصیدے بھی ان کی طرف منسوب کرکے چھاپے جارہے ہین،

بہر حال آپکے سوالون کا جواب درج ذیل ہے :-

(۱) "نعمت اللہ ولی" کے نام و تخلص سے ایک سے زیادہ اہلِ دل شعرا شہرت رکھتے ہین، ان مین سے صاحبِ قصیدہ پیشین گوئی نور الدین سید شاہ نعمت اللہ ولی ہین، ان کا دیوان برٹش میوزیم، بانکی پور اور ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانون مین موجود ہے، اور ۱۲۷۶ھ مین طہران سے چھپ بھی چکا ہے،

شاہ نعمت اللہؒ کے سوانح عام فارسی تذکرون خصوصًا مجمع الفصحا، مراۃ الاسرار، ریاض الشعرا تذکرۃ الشعراء دولت شاہ سمرقندی اخبار الاخیار، خزینۃ الاصفیا تذکرۃ الکرام اور عام تاریخون مین سے فرشتہ و حبیب السیر وغیرہ مین پائے جاتے ہین، ان مین اختلافات بھی ہین، جو نسب نامہ سے سنہ وفات تک کے پورے دور مین موجود ہین، زیادہ مستند معلومات وہ ہین، جن کو اُن کے کسی شاگرد نے دیوان مین دیباچہ کے طور پر لکھا ہے، اور "مناقب حضرت شاہ نعمت اللہ ولی" کے نام سے عبد العزیز بن شیر ملک ابن محمد واعظی نے ایک مختصر رسالہ بھی لکھا ہے، جو علاء الدین احمد شاہ بہمنی (۸۳۸ھ - ۸۶۲ھ) کے نام سے معنون ہے، یعنی یہ رسالہ شاہ صاحب کی وفات کے چند ہی سال کے بعد لکھا گیا ہے، اس کا متن برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ نمبر ۷۰۸۳۷ مین موجود ہے اور ان مآخذ سے برٹش میوزیم کی فارسی مخطوطات کے مرتب ریو نے فہرست مین مختصر حالات اجمال و اختصار سے قلمبند کئے ہین، اور اردو مین جناب ام اے حفیظ نے اُن کے سوانح و کلام پر ایک مختصر رسالہ لکھا ہے جس مین اس قصیدہ پیشینگوئی کے اشعار بھی شائع کئے ہین، یہ رسالہ "شاہ نعمت اللہ ولی" کے نام سے ۱۹۳۹ء مین شائع ہوا ہے، اور راج نرائن سنگھ درگاہ شاہ ارزان، ڈاکخانہ مہندرو پٹنہ کے پتہ سے ۱۴ر مین مل سکتا ہے،

مناقب شاہ کی تصریح کے مطابق شاہ نعمت اللہ ۷۳۰ھ یا ۷۳۱ھ مین حلب مین پیدا ہوئے، عراق مین نشو و نما پائی، ۲۴ سال کی عمر مین مکہ معظمہ گئے، یہان سات سال قیام پذیر رہے، اور شیخ عبد اللہ یافعی متوفی ۷۶۸ھ کے حلقہ ارادت مین داخل ہو کر راہِ سلوک طے کی، اور اُن کے مجاز و خلیفہ بنائے گئے، پھر

سمرقند، ہرات اور یزد مین مقیم رہے، اور ہر جگہ مریدون کی بڑی تعداد حلقہ ارادت مین داخل ہوتی گئی، پھر ماہان مین جو کرمان سے ۸ فرسخ پر واقع ہے مستقل سکونت اختیار کی، اور اپنی زندگی کے پچیس سال یہین بسر کئے، اور ۲۲ رجب ۸۳۴ھ کو ایک سو تین یا چار سال کی عمر مین واصل بحق ہوئے ان کی تصنیفات مین دیوان کے علاوہ تقریبًا پانسو چھوٹے بڑے رسائل و مکاتیب ہین، جو تقریبًا سب کے سب مسائل تصوف پر ہین (فہرست مخطوطات برٹش میوزیم جلد ۲ ص ۶۳۴ و دیگر کتب تذکرہ

شاہ صاحب علیہ الرحمہ صوفی تھے، اور الصوفی لا مذہب لہ کے صحیح مصداق کہے جاسکتے ہین، انھین اثنا عشری یا علوی کہنا حقیقت سے دور ہے وہ شیخ عبد اللہ یافعی کے حلقہ ارادت مین داخل ہونے کی وجہ سے شافعی کہے جاسکتے تھے، اگرچہ یہ ضروری نہین کہ طریقت کی ارادت کے ساتھ فقہی مذاہب مین سے شیخ کے اختیار کردہ مذہب کی بھی مرید پیروی کرے، لیکن دراصل وہ اس قسم کے کسی انتساب کو قبول نہین کرتے تھے، شاہنواز خان نے مآثر الامراء مین ان کا ایک قطعہ نقل کیا ہے، وہ ان کے مذہب پر صحیح روشنی ڈال سکتا ہے، کہتے ہین :- ؎

گویند مرا چہ کیش داری   اے بیخبران چہ کیش دارم

از شافعی و ابو حنیفہ   آئینہ خویش پیش دارم

اینہا ہمہ تا بجان جدا اند   من مذہب جد خویش دارم

یعنی وہ بجز اسلام کے کسی انتساب کو روا نہ رکھتے تھے،

شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے زہد و تقوی و کشف و کرامت کی شہرت دور دور پھیلی اور مختلف سلاطین کے حلقہ مین بھی احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے، ان مین سے دکن کا بہمنی حکمران احمد شاہ بھی تھا، اور اسی کے وسیلہ سے شاہ نعمت اللہ اور اُن کے خاندان کا تعلق ہندوستان کی سرزمین سے پیدا ہوا، چنانچہ احمد شاہ بہمنی کی درخواست پر شاہ نعمت اللہ کے پوتے میر نور اللہ دکن مین آئے

احمد شاہ اون کی پیشوائی کے لئے دور تک گیا، اور جس جگہ ان دونون کی ملاقاتین ہوئین، وہان ایک گاؤن "نعمت آباد" کے نام سے آباد کرایا، اور انھین دربار مین مخدوم زادے کی حیثیت سے غیر معمولی عزت و تکریم سے جگہ دی، اور اپنی لڑکی کو اُن کے حبالۂ عقد مین دیدیا،

پھر شاہ نعمت اللہ کی وفات کے بعد اُن کے صاحبزادے شاہ خلیل اللہ اپنے دو صاحبزادون شاہ حبیب اللہ و شاہ محب اللہ کے ساتھ یہان وارد ہوئے، اور ان دونون صاحبزادون کی شادیان بھی دکن کے بھمنی شاہی خاندان مین ہوئین، آگے چل کر میر نور اللہ نے سجادہ نشینی کی خدمت شاہ محب اللہ کو تفویض کردی اور خود صاحب طبل و حشم ہوکر امیرانہ کروفر کی زندگی اختیار کرلی، پھر عہد جہانگیری مین اس خاندان کے اکابر کو مناصب حاصل ہوئے، اور یہ سرفرازیان دور عالمگیری مین بھی قائم رہین، شاہنواز ان کا بیان ہے کہ اس خانوادہ کی اولاد اُن کے زمانہ تک دکن مین موجود ہے، (مآثر الامراء ج ۳ ص ۵۴۳ تا ۴۴۳)

شاہ نعمت اللہ کی اولاد کے چند اور سلسلے بھی ہین جن کا تعلق ایران سے وابستہ رہا، اور وہ ہماری گفتگو سے علحدہ ہین،

شاہ صاحب کے قصیدۂ پیشین گوئی قیامت کی شہرت کی خاص وجہ شاید یہ ہو کہ اس مین مہدی آخر الزمان کے ظہور کا ذکر آیا ہے، اس قصیدہ کے لکھے جانے کے چند ہی سال بعد امیر تیمور کے حملہ سے ایشیا کا ایک وسیع علاقہ تھرا اٹھا، اس دور مین امام آخر الزمان کی آمد کا خاص طور پر انتظار کیا گیا، پھر ایک سے زیادہ موقع پر تاریخ کے مختلف دورون مین لوگون نے اس قصیدہ کو مدار بنا کر مستقبل کے متعلق خوش آیند توقعات قائم کئے، اور آخری طور پر حضرت سید احمد شہید بریلوی کی تحریک کے موقع پر بھی اس سے کام لیا گیا، اور اُن کی ذات گرامی کو اس قصیدہ کی پیشینگوئی کا مصداق ٹھرایا گیا، اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے،

قدرت کردگار می بینم　　حالت روزگار می بینم

ہندوستان مین ۱۸۵۷ء کی تحریک انقلاب کے بعد مسلمانون پر ابتلاء کا ایک خاص دور گذرا ہے، پھر جب انگریزی حکومت کو پورا تسلط حاصل ہوا تو مسلم عوام نے اپنے مستقبل کی امیدین پیشینگوئیون پر رکھین، اور اس سلسلہ مین اس قصیدہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، پھر اسی زمانہ مین ایک دوسرا قصیدہ شاہ نعمت اللہ کی طرف منسوب ہوکر مسلمانون مین گشت کرنے لگا جس مین انگریزی حکومت کے استیلاء اور اس کے زوال کا تذکرہ خاص طور پر تفصیل سے آیا ہے، لیکن اس قصیدہ کا انتساب شاہ صاحب کی طرف صحیح نہین، یہ نہ اُن کے کسی دیوان مین ہے، اور نہ اس کا کوئی قدیم نسخہ کسی کتب خانہ مین پایا جاتا ہے، اس دوسرے قصیدہ کے کچھ اشعار ربع صدی پہلے راقم سطور کی نظر سے کسی کی بیاض مین گذرے تھے، پھر وہ اشعار کہین دیکھنے مین نہ آئے، ممکن ہے اُس زمانہ مین حکومت ہند نے اُس کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا ہو، ورنہ اصل قصیدہ جو شاہ نعمت اللہ ولی کا ہے، وہ ایک سے زیادہ مرتبہ چھپ چکا ہے، اور پٹنہ سے جو کتاب شائع ہوئی ہے، اس مین بھی موجود ہے، آپ اس کتاب کو منگا کر شاہ صاحب کے مفصل حالات اور اس قصیدہ کے اشعار کا مطالعہ کرسکتے ہین،

(۲)

شاہ نعمت اللہ ولی سے منسوب یہ قصیدہ جس کا تراشہ آپ نے روزنامہ قندیل کراچی سے لے کر بھیجا ہے، غالباً پاکستان کی تاسیس کے بعد اسی ماحول اور تصورات مین ترتیب پایا ہے، اس کے فرضی ہونے کی بہت سی داخلی شہادتین خود اس قصیدہ کے اشعار مین موجود ہین، نہ صرف اس کا ہر شعر "ہندوستانی فارسی" زبان مین ہے، بلکہ اس مین ایسے بہت سے الفاظ موجود ہین، جو شاہ نعمت اللہ ولی علیہ الرحمہ کے زمانہ مین ان معنون مین استعمال نہین کئے جاتے تھے، یہانتک کہ بعض ملک کے جو نام اس مین آئے ہین، وہ بھی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے زمانہ مین پائے نہ جاتے تھے، مثلاً جاپان کا ذکر اس مین ایک سے زیادہ موقع پر آیا ہے، حالانکہ جاپان کو جاپان "نے جو موسوم کیا گیا ہے، وہ مارکو پولو کے سفر چین

(۱۲۹۵ھ) کے بعد کا واقعہ ہے، چین میں اس جزیرہ کو "چی نیکو" (Chi-pen-Kue) کہتے تھے اس سے (Chipangai) چیپانگو ہوا، پھر یہی لفظ انگریزی میں (Japan) جاپان کے تلفظ سے ادا کیا گیا، اور جیپنیوں نے بھی اس کے اس تلفظ کو قبول کر لیا، (جاپان از ڈیوڈ مرے) ظاہر ہے کہ ۱۹ ویں صدی کا یہ نومولود لفظ اس قدر جلد شہرت نہیں پا سکتا تھا، کہ شاہ نعمت اللہ ولی متوفی ۸۳۴ھ اور اُن کے زمانہ کے لوگ اس سے واقف ہوتے، اور وہ بے تکلف اپنے قصیدے میں "جنگ روس و جاپان" یا "زلزلہ جاپان" کا ذکر کرتے، اور کہہ سکتے کہ

جاپان فتح یابد بر ملک روسیانہ (؟)

یا:- جاپان تباہ گردد یک نصف ما لثانہ (؟)

اس لئے حال کے اس تصنیف کئے ہوئے قصیدہ کے متعلق جو محض سیاسی پروپگینڈے کے لئے تیار کیا گیا ہے، یہ تصریح کرنے کی بھی چندان ضرورت نہیں، کہ یہ قدیم زمانہ کے کسی قلمی یا مطبوعہ اصل پر مبنی نہیں ہے، بلکہ یہ سراسر خود ساختہ اور فرضی اور جعلی ہے، "س"

سیر الصحابہ جلد ششم

اس میں حضرت حسنین امیر معاویہؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ کے مفصل حالات و سوانح اخلاق فضائل اور ان کے مذہبی اخلاقی اور سیاسی مجاہدات اور کارناموں اور ان کے باہمی سیاسی اختلافات کی تفصیل ہے واقعہ کربلا اور امیر معاویہؓ کے متعلق اردو میں اس سے زیادہ مستند اور تحقیقی حالات نہیں مل سکتے، قیمت :- عہ

"منیجر"

وفیات

ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم

افسوس ہے کہ گذشتہ ۲۴ دسمبر ۴۷ء کو ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم نے بعارضۂ فالج لندن میں انتقال کیا، مرحوم اپنے علمی کمال میں ہندوستان کے مشاہیر میں تھے، وہ تعلیم کے ماہر اور ریاضیات کے ممتاز فاضل تھے، انھوں نے اپنی تعلیم کے زمانہ میں ان فنون میں ہندوستان اور یورپ کی درسگاہوں میں جو امتیازات حاصل کئے، وہ اس دور میں کم ہندوستانیوں کو حاصل ہوئے تھے، چند دنوں جامعہ ازہر میں بھی رہے تھے، اس لئے عربی سے بھی کچھ واقف تھے، ان کی پوری زندگی علم و تعلیم کی خدمت میں گذری، اور وہ نصف صدی سے زیادہ کسی نہ کسی حیثیت سے مدرسۃ العلوم اور اس کے بعد مسلم یونیورسٹی سے وابستہ رہے، کئی مرتبہ وائس چانسلر ہوئے، ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ اس عہدہ سے سبکدوش ہوئے تھے، برسوں مجلس مقننہ کے ممبر رہے، مالیات میں ان کی رائے اور مشوروں کو خاص اہمیت حاصل تھی، اُن کو اس زمانہ کے بڑے سے بڑے اعزاز حاصل ہوئے، جن سے یونیورسٹی کو بھی فوائد پہنچے، اور اُن کے دور میں اس کو بڑی ترقی ہوئی، اُن کا آخری کارنامہ میڈیکل کالج کا قیام ہے، چند مہینے ہوئے جدید تعلیمی نظام کے مطالعہ کے لئے یورپ اور امریکہ گئے تھے، کہ لندن میں پیام اجل آپہنچا،

مرحوم اس دور کی پیداوار تھے، جب مسلمانوں پر مغربی تمدن مسلط تھا، اور اس کا سب سے بڑا مرکز علی گڑھ تھا، لیکن انھوں نے اس کا بہت کم اثر قبول کیا، اب تو ضعیفی کی عمر تھی، وہ ہر زمانہ میں نہ صرف عقیدے بلکہ ظاہری وضع قطع میں بھی مسلمان رہے، اُن کی زندگی بڑی سادہ اور

بے تکلف تھی، اُن کی سادگی مین ایک صاحبِ کمال کی شان بے نیازی پائی جاتی تھی، شخصی طور پر
سے لوگون کو بڑے فوائد حاصل ہوئے، ان کی ذات سے سینکڑون غریب طالب علمون نے تعلیم
کرلی، اور انھون نے بہتون کو جن کا کوئی سہارا نہ تھا، ملازمتین اور بڑے بڑے عہدے دلوا
کمزوریون سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں، وہ سیاست مین علی گڈھ کی پرانی روایات کے حا
اس لئے ایک طبقہ کو ان کے خیالات اور طریقہ کار سے اختلاف رہا، لیکن ان کی علمی فضیلت اور
خدمات سے کسی کو انکار نہیں، مسلمانون مین جو صاحبِ کمال بھی اُٹھ گیا، اس کا بدل نہ پیدا ہوا
مرحوم کی جگہ بھی مشکل سے بھر سکیگی، اللھم اغفر لہ مغفرۃ واسعۃ؛

ان کو یونیورسٹی کے انتظامی امور دوسری قومی و سیاسی مشغولیتون کی وجہ سے تالیف و تصنیف
کا کم موقع مل سکا، اور دو تین مختصر تعلیمی کتابون کے علاوہ اپنے علم کے شایانِ شان کوئی علمی یادگار
نہین چھوڑی، "م"

تصوفِ اسلام

(طبع جدید)

مصنفہ مولانا عبد الماجد دریابادی

مدیر صدیق مولانا دریابادی کی مشہور کتاب تصوفِ اسلام کا نیا اڈیشن تیار ہوگیا ہے
بتایا گیا ہے، کہ صحیح اسلامی تصوف کیا ہے اور اس میں اور موجودہ رواجی تصوف مین کتنا فرق
اس نئے اڈیشن کے لئے پوری کتاب کے مضامین پر نظر کرکے کتاب کو بالکل نئی حیثیت دی
گئی ہے، قیمت: ۔/۶ ضخامت ۴۴۲ صفحے

"منیجر"

ادبیات

آہ! داعیِ امن!

از

جناب یحییٰ اعظمی

ابھی کچھ اور دن جیتے وطن مین محترم گاندھی — کہ اس دنیائے پُر آشوب مین تھے مغتنم گاندھی
رُلائے کیون نہ خون چشم وطن کو تیرا غم گاندھی — مین سگے اب کہان اس کو ترے لطف و کرم گاندھی

وطن کیونکر سہے گا آہ اس داغِ یتیمی کو
بھلا روئے نہ کیون دنیا تری خو کریمی کو

یتیمون اور بیواؤن کا غم اب کون کھائے گا — مسلمانون کے غم مین کون اب آنسو بہائے گا
وطن کے غم زدون کو کون اب تسکین دلائے گا — نواکھالی سے چل کر کلکتہ اب کون آئے گا

کرے گا کون آباد آہ اب اُجڑی ہوئی دلّی
بنے گی کس کے ہاتھون آہ اب بگڑی ہوئی دلّی

جہان آباد ہے گریان کہ اب گاندھی نہیں باقی — ہے چشم بلدہ خون افشان کہ اب گاندھی نہین باقی
وطن ہے کلبۂ احزان کہ اب گاندھی نہین باقی — ہے محزون آج ہر انسان کہ اب گاندھی نہین باقی

ہے غم مظلوم کا غم کھانے والا ہوگیا رخصت
ہر اک دکھ درد مین کام آنیوالا ہوگیا رخصت

نئی دلی

رواں ہوں کیوں نہ اب ہر چشمِ تر سے خون کے آنسو
کہ تنہا چھوڑ کر ہم کو سدھارے قوم کے باپو

جدھر دیکھو نظر آتی ہے اک آشفتگی ہر سو
ہے کس کا سوگ بھارت کو کہیں بکھرے ہوئے گیسو

اُٹھا مغموم ہندوستان کے سر سے آپ کا سایہ
کہ اک بچے کے سر سے اُٹھ گیا ہے باپ کا سایہ

جواہر لال جی کو اب ملے گی روشنی کس سے
ملے گی اب شبستانِ وطن کو چاندنی کس سے

مٹے گی اب رُخِ انسانیت کی مردنی کس سے
سُنے گی حرفِ تسکین اب یہ دنیائے دنی کس سے

اٹھا وہ خود جو دیتا تھا نوید امن دنیا کو
بنایا تھا شعارِ زندگی جس نے اہنسا کو

منور جس سے تھی کل تک ابھی کل بزم انسانی
دریغا بجھ گئی اک آن میں وہ شمعِ روحانی

ہزار افسوس ظالم نے نہ تیری قدر پہچانی
مٹے گا آہ کیونکر یہ وطن کا داغِ پیشانی

نوائیں ہیں زمیں سے آسماں تک درد و ماتم کی
وطن تاریک ہے، ہر سمت چھائی ہے گھٹا غم کی

مٹایا کس شقی نے اُف اہنسا کے پجاری کو
اخوت کے پیامی امن و رافت کے بھکاری کو

سنے گا کون اب ہم غم زدوں کی آہ و زاری کو
بھرے گا کون دم اب ہماری غم گساری کو

جہانِ آب و گِل ہو کیوں نہ وقفِ شیون و ماتم
کہ دنیا سے اٹھا انسانیت کا محسنِ اعظم

وہ ہند و جلوہ گر تھی جس کے دل میں شمعِ عرفانی
وہ جس کے سینہ میں تھا پرتوِ توحید ربانی

رہا جو عمر بھر خدمت گذارِ نوعِ انسانی
ہویدا جس میں تھی خلقِ حسن کی جلوہ افشانی

وہ درد و غم کا محرم اٹھ گیا افسوس دنیا سے
نقیبِ امنِ عالم اٹھ گیا افسوس دنیا سے

روانہ ہوتے ہیں اس شان سے آخر کہاں باپو[1]
ذرا دیکھے کوئی ہیں گلستاں در گلستاں باپو

پکارے گا کسے کل کہہ کے اب ہندوستاں باپو
ٹھہر جائیں ذرا شعلے کہ ہیں اس میں نہاں باپو

تمنا ہے میسر آخری دیدار ہو جائے
الٰہی جلد یہ آتش کدہ گلزار ہو جائے

محسنِ انسانیت

از مولوی اقبال احمد خاں صاحب سہیل

زنجیرِ غلامی سے کس نے بھارت کو چھڑایا گاندھی نے
صدیوں کے اسیروں کو کس نے آزاد بنایا گاندھی نے

سائنس کی طوفانی لہریں پربت کو بھی جب ٹھکراتی تھیں
ست دھرم کی ٹوٹی نیّا کو تب کس نے ترایا گاندھی نے

جب بغض و عداوت کی آندھی قوموں کو اڑائے جاتی تھی
تب شمعِ محبت کو کس نے سینوں میں جلایا گاندھی نے

اس خون کی پیاسی دنیا کو بتلائی اہنسا کی شکتی
اس پاپ کی اندھی نگری کو ست مارگ دکھایا گاندھی نے

بھارت کے لئے وہ مسیحا تھا، اس دیس کا جیون داتا تھا
گو موت سے خود بھی بچ نہ سکا مُردوں کو جلایا گاندھی نے

سنسار کی اُس نے سیوا کی ست دھرم کی اس نے رکشا کی
جو بوجھ پہاڑوں سے نہ اٹھے وہ بوجھ اٹھایا گاندھی نے

تہذیب و تمدن کے داعی جب ایٹم بم برساتے تھے
اس شور میں بھی راگ الفت کا دنیا کو سنایا گاندھی نے

ان موہنی آنکھوں کا جادو پتھر کو بھی پگھلا دیتا تھا
روٹھوں کو منایا گاندھی نے بچھڑوں کو ملایا گاندھی نے

توحید پرستوں میں اُس نے گیتا کا پرچار کیا
ہندو و سکھ عیسائی کو قرآن سنایا گاندھی نے

ہستی کی اس بستی میں تھی روحِ شرافت خوابیدہ
پیغامِ حیاتِ نو دیکر پھر اس کو جگایا گاندھی نے

بھارت کے اجڑتے گلشن کو آج اپنے لہو سے سینچ گیا
جو کام کسی سے بن نہ پڑا وہ کر کے دکھایا گاندھی نے

[1] باپو کی حیثیت اب لقب کی ہو گئی ہے،

مطبوعات جدیدہ

فلسفہ کلام غالب ۔ از جناب پروفیسر سید شوکت سبزواری ایم اے، تقطیع اوسط ضخامت ۲۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ہے، پتہ :۔ قومی کتب خانہ بریلی،

فاضل مصنف ایک صاحب علم ونظر اہل قلم ہیں، مذکورہ بالا کتاب میں انھوں نے بڑی دقت نظر سے کلام غالب سے ان کے مختلف جذبات وتاثرات اور افکار وتصورات کی فلسفیانہ تحلیل کی ہے، اس میں شبہ نہیں کہ غالب مجتہدانہ دل ودماغ رکھتے تھے، اور بلند خیال، بلند نظر، جدت طراز شاعر تھے، اردو کا کوئی شاعر ان کی پرواز فکر کو نہیں پہنچتا، لیکن وہ کوئی صاحب فکر فلسفی یا کسی خاص تعلیم و پیام کے معلم و مبلغ نہ تھے اس لیے اس معنی میں ان کو فلسفی کہنا صحیح نہیں کہ ان کا کوئی مرکزی تصور یا فلسفیانہ مسلک تھا، لیکن وہ ایک ذہین و طباع انسان تھے، اس زمانہ کے مروجہ الہیاتی فلسفہ، اشراقی تصوف اور ویدانت کے مسائل سے پوری آگاہی بلکہ ان کا ذوق رکھتے تھے، اور انھیں زندگی میں ایسے حوادث سے سابقہ پڑا جن میں اس قسم کے نیم فلسفیانہ اور نیم متصوفانہ جذبات کا پیدا ہونا بالکل فطری ہے، اس لیے ان کے کلام میں زندگی اور کائنات کے حقائق اور مابعد الطبیعاتی تصورات کے متعلق بکثرت فلسفیانہ خیالات ملتے ہیں، اخلاقیات اور آرٹ وجمال اور نظریہ حسن وغیرہ کے متعلق بھی ان کے خیالات میں ندرت اور بلندی ہے، اسے خواہ جدت واجتہاد فکر کہا جائے یا فلسفہ سے تعبیر کیا جائے، لیکن درحقیقت یہ خیالات کسی فلسفیانہ مسلک کے ماتحت نہیں بلکہ ان کے دل میں وقتاً فوقتاً جو تاثرات پیدا ہوئے، اس کو انھوں نے فلسفیانہ انداز میں ظاہر کر دیا اسی لیے ان کے

کلام میں تضاد پایا جاتا ہے، لیکن اگر ان خیالات کو غالب کے فلسفہ سے تعبیر نہ کیا جائے، اور صرف جذبات وتاثرات کہا جائے تو یہ تضاد خود بخود رفع ہو جاتا ہے، اس لیے کہ جذبات وتاثرات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے بلکہ مختلف حالات کے ماتحت بدلتے رہتے ہیں، بہرحال اس کتاب میں مصنف نے مذکورہ بالا امور اور بعض دوسرے مسائل کے متعلق غالب کے خیالات کی نہایت فلسفیانہ تشریح کی ہے، اور آخر میں ان کے مسلک شعری، اس کی فنی حیثیت اور تغزل پر مختصر مگر ناقدانہ تبصرہ کیا ہے، مصنف کی بیشتر تشریحات غالب کے نازک شاعرانہ فلسفہ سے زیادہ دقیق وعمیق اور غالب کا زیادہ خود مصنف کی فلسفیانہ دقت نظر کا ثبوت ہیں، اس لحاظ سے یہ کتاب خود ان کی فلسفیانہ تالیف کی حیثیت رکھتی ہے، طرز نگارش دلکش اور ادیبانہ ہے، ایک مقام پر سہو قلم سے شیخ مقتول کی عوارف المعارف لکھ گیا ہے، صہ ۱۳ ، حضرت شیخ شہاب الدین ...... سہروردی صاحب عوارف اور شہاب الدین مقتول دو جدا شخصیتیں ہیں، اول الذکر بزرگ اکابر صوفیہ میں ہیں، اور آخر الذکر حکیم و فلسفی، بعض مقامات پر اسلامی تصوف اور اشراقی فلسفہ اور ویدانت کے مسائل میں خلط مبحث ہو گیا ہے، لیکن یہ خفیف فروگذاشتیں لائق التفات نہیں، مجموعی حیثیت سے اس موضوع پر اردو میں اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی، مصنف کے علم سے اسی کی توقع تھی،

مجموعہ مقالات علمیہ ۔ شائع کردہ مجلس ادارت حیدرآباد اکیڈمی، تقطیع بڑی، ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت درج نہیں، پتہ :۔ اکیڈمی مذکور سے ملیگی،

حیدرآباد اکیڈمی کے علمی خدمات کا تذکرہ ان صفحات میں آچکا ہے، اور اس کے بعض شائع کردہ مقالات پر تبصرہ بھی ہو چکا ہے، زیر نظر کتاب اسکے مختلف علمی، ادبی اور سائنٹفک مقالات کا نیا اور مفید مجموعہ ہے، اس میں حسب ذیل مقالے ہیں، "جوہر توانائی"، محمد عبدالرحمن خانصاحب صدر اکیڈمی، "کائناتی شعاعیں"، "ڈاکٹر سید مہدی علی، فارسی شاعری میں رمزیہ اشارے"، مظہر علی خانصاحب استاذ جامعۂ عثمانیہ،

بعثت نبوی کے وقت کی عالمگیر گتھیاں اور ان کا اسلامی حل"، ڈاکٹر حمید اللہ، اس میں دکھایا گیا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت دنیا کی کیا حالت تھی، اور قومیت، انتقام، انسانی حیات یقین و عمل، دوسرے مذاہب کی تصدیق، دولت و افلاس، اور انفرادیت و اجتماعیت وغیرہ کے متعلق گزشتہ اقوام و مذاہب کے تصورات اور اس کے کیا نقائص تھے، اور اسلام نے اس میں کیا اصلاح کی، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کا مضمون "قرآن و فلسفہ"، اس سے پہلے شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے، "ہمارے کوکبی نظام کی ساخت"، ڈاکٹر اکبر علی صاحب ناظم رصدگاہ حیدرآباد، "شوکت بخارا" ڈاکٹر سید حکیم اللہ حسینی"، یہ سب مقالے مفید پر از معلومات اور مطالعہ کے لائق ہیں،

فلاح و ترقی کے اصول۔ مؤلفہ جناب مولوی محمد سراج الحق صاحب مچھلی شہری تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۶ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ: ادارۂ صدیقیہ الہ آباد،

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے انکی دینی اور اخروی فلاح کے ساتھ دنیاوی ترقی کا بھی وعدہ فرمایا ہے لیکن واقعہ اسکے خلاف نظر آتا ہے، مسلمان پستی اور تنزل میں مبتلا ہیں اور غیر مسلم قومیں بام عروج پر پہنچ گئی ہیں، اس سے بعض دماغوں میں اسلامی اصولوں کے متعلق شکوک پیدا ہوتے ہیں، اس کتاب میں انکا ازالہ کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور آج بھی اسلام ہی کے پاکیزہ اصول دنیاوی ترقی کا بھی ذریعہ ہیں لیکن اولاً اسلام میں ترقی کا مفہوم موجودہ ترقی کے خالص مادی تصور سے مختلف ہے، دوسرے خود مسلمانوں نے ترقی کے اسلامی اصولوں کو چھوڑ دیا ہے، اور انکا عمل سراسر اسکے خلاف ہے جسکا لازمی نتیجہ انکا تنزل ہے، ان کے مقابلہ میں غیر مسلموں نے دنیاوی ترقی کے بہت سے اسلامی اصولوں کو اختیار کر لیا ہے، اس لیے "مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور" کے تحت انکی ترقی قدرتی امر ہے، لیکن ان قوموں نے ان اصولوں کے علاوہ بہت سے خالص مادی اصول بھی وضع و اختیار کئے ہیں، اس لئے کہ ان کی ترقی متوازن نہیں ہے، جس کی خرابیاں آج ساری دنیا میں نمایاں ہیں، اور ان کے مادی اصولوں سے اسلامی اصولوں کا موازنہ کر کے اول الذکر کے نقصانات اور آخر الذکر کے فوائد دکھائے ہیں،

کتاب کے آخر میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کے رسالہ فروع الایمان کی تلخیص ہے جس میں ستتر اسلامی تعلیمات اور ان کی ضروری تشریح ہے، اس کتاب کا اصل موضوع بحث وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، لیکن ضمناً اور بہت سے مفید مذہبی معلومات بھی آگئے ہیں،

تعلیم قرآن۔ مؤلفہ جناب غلام دستگیر صاحب لکچرار نظام کالج و مولوی عبدالرحمن صاحب سید صدیقی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲؎

پتہ:- ادارۂ اشاعت اسلامیات، حیدرآباد دکن۔

عام طور سے مسلمانوں میں قرآن مجید کے معنی اور مفہوم کی جانب سے اتنی بے توجہی ہے کہ اکثر مسلمان ان سورتوں کے معنی بھی نہیں سمجھتے جن کو روزانہ نمازوں میں تلاوت کرتے ہیں، اگر صرف انہی کو سمجھ کر پڑھیں تو بھی کلام مجید کے مقصد و منشا سے ان کو یک گونہ ربط و مناسبت قائم رہے، اور نماز میں بھی خشوع پیدا ہو، اس ضرورت کے پیش نظر لائق مولفین نے تعلیم قرآن لکھی ہے، اس میں سورۂ فاتحہ سے لیکر والضحیٰ تک پارۂ عم کی ۲۱ سورتوں کا ترجمہ اور ان کی ضروری تشریح کی گئی ہے، یہ سورتیں عام طور سے نمازوں میں زیادہ پڑھی جاتی ہیں، ان میں سے بعض مضامین کے اعتبار سے بھی زیادہ اہم ہیں، جن میں قرآنی تعلیمات کی روح آگئی ہے، اس لیے یہ ترجمہ مختلف حیثیتوں سے مفید ہے، ہر سورہ کا لفظی اور بامحاورہ ترجمہ علیحدہ علیحدہ لکھا ہے، اور ان کی ضروری تفسیر بھی کر دی ہے، ترجمے شاہ عبدالقادر صاحب اور شیخ الہند کے مستند تراجم سے ماخوذ ہیں، مولفین کے پیش نظر زیادہ تر تعلیم یافتہ نوجوانوں کی دینی اصلاح و تربیت ہے، اس لیے تفسیر میں ان کے ذوق، انداز فکر، اور موجودہ اجتماعی مسائل کی زیادہ رعایت رکھی گئی ہے، لیکن اس سے نفس مطالب میں کوئی تغیر نہیں ہونے پایا ہے، اس کی صحت اور افادہ کے لیے مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی مندرجہ تصدیق کافی ہے، یہ کتاب عربی سے ناواقف نمازی مسلمانوں

کے مطالعہ کے لائق ہے۔

فلسفۂ نماز۔ ازجناب مولوی شمس الدین صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۸۰ صفے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۵ر پتہ: بک ڈپو انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی۔

نماز اللہ تعالیٰ کے دربار کی حضوری، اس کی عظمت و کبریائی، اور اپنی عبودیت اور بے چارگی کا اعتراف ہے، اس لیے اس کے ارکان کو درباروں کی حاضری کے آداب سے تشبیہ دیجاتی ہے، لیکن ان دونوں میں بڑا فرق ہے، بارگاہ خداوندی میں آداب ظاہری کی پابندی کے ساتھ دل کو بھی خوف وخشیت اور عجز و فروتنی کی کیفیت سے معمور ہونا چاہیے، اس کتاب میں ان دونوں پہلوؤں سے اذان، وضو، نماز کے ظاہری ارکان، اس کی قرأت، تحمید و تقدیس، دعاؤں اور باطنی کیفیتوں کی صاف اور سادہ طریقہ سے تشریح کی گئی ہے، اس قسم کی تعبیرات ذوقی ہیں، ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق تعبیر کرتا ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب عام مسلمانوں کے مذاق اور ان کے مطالعہ کے لائق ہے۔

لمعات۔ مرتبہ جناب پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی ایم اے، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت: ۔ع پتہ: جناب مرتب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ملے گی۔

لمعات جناب رضی احمد صاحب بدایونی مرحوم کے کلام کا انتخاب ہے جسے ان کے چھوٹے بھائی پروفیسر ضیاء احمد صاحب نے مرتب کیا ہے، مصنف مرحوم شاعر کی حیثیت سے کسی خاص شہرت کے مالک نہ تھے، ان کے جاننے والوں اور قدر دانوں کا حلقہ محدود تھا، لیکن ان کو شاعری سے فطری مناسبت تھی، اور اس کا ذوق ان کو اپنے اصحاب علم و ادب اسلاف سے ورثہ میں ملا تھا، ان کی شاعری کا آغاز اور نشوونما ایسے زمانہ میں ہوا جب پرانے طرز شاعری کا خاتمہ اور نئے کا آغاز ہو رہا تھا، اس لیے ان کے کلام میں دونوں کے اثرات ہیں، فن کی مہارت، کلام پر قدرت، پختگی اور زبان کی صحت و صفائی قدما کی ہے، اور خیالات میں نئے اثرات نمایاں ہیں، گو یہ انتخاب مختصر ہے، لیکن خیالات

کے اعتبار سے ان میں بڑا تنوع ہے، تغزل کی زمزمہ سنجی بھی ہے، فلسفہ و حکمت کی گہرائی بھی، اور تصوف کی مستی و حرارت بھی، لیکن تغزل کی رنگینی میں خیالات کی لطافت و پاکیزگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، اردو کے چند قصائد اور فارسی کی چند غزلیں بھی ہیں، قصائد خیالات کی رفعت، الفاظ کے شکوہ اور زور بیان کے اعتبار سے اساتذہ کے قصائد کے پہلو بہ پہلو رکھے جا سکتے ہیں، دیوان کے شروع میں پروفیسر آل احمد سرور اور جناب مرتب کے قلم سے طویل تعارف اور تبصرے ہیں، جو مصنف کے کلام پر تبصرہ کے ساتھ ادبی حیثیت سے نفس شاعری پر ناقدانہ مقالے کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ مجموعہ مختلف حیثیتوں سے اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

کاخ بلند۔ ازجناب حکیم عبدالکریم صاحب ثمر، تقطیع اوسط، ضخامت ۳۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد سے، پتہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، قرآن منزل، ریلوے روڈ، لاہور۔

آج کل کے نوجوانوں کی شاعری کی جولانگاہ عموماً حسن و عشق کے سفلہ اور پست جذبات اور اس کی بے جان داستاں سرائی ہے، ان کی ترقی کی سب سے بڑی معراج ملحدانہ اور بے دینی کے خیالات ہیں، ان کے دلوں سے حرارت ملی، اور سوز حیات مفقود ہے، لیکن ہر کلیہ میں مستثنیات ہوتے ہیں، جناب ثمر کا کلام بھی انہی مستثنیات میں ہے، کاخ بلند ان کے کلام کا اسم بامسمی مجموعہ ہے، اس میں سو کے قریب نظمیں ہیں، اور پورا کلام شاعری کے مفاسد سے پاک، اور خیالات کی بلندی و پاکیزگی، دینی و ملی جذبات اور زندگی کی تپش سے لبریز ہے، مصنف نے خیالات اور طرز ادا دونوں میں اقبال کا تتبع کیا ہے، اور اس حد تک اس میں کامیابی حاصل کی ہے، کہ بعض اشعار پر اقبال کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے، یہ معلوم کرکے اور بھی تعجب ہوا کہ مصنف اصل میں پنجابی زبان کے شاعر ہیں اور اردو میں کل دو تین برسوں سے مشق سخن شروع کی ہے، گو ابھی کلام میں خامیاں ہیں لیکن ایسی قلیل مدت میں اتنی مشق بہم پہنچا لینا ان کے مستقبل کے لیے فال نیک ہے

اگر ان کی مشقِ سخن جاری رہی تو یہ خامیاں دور ہو جائیں گی "اور پنجاب اقبال کے طرزِ شاعری سے خالی نہ ہوگا،

ادب کے مادی نظریے - از جناب ظہیر کاشمیری، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۲۵ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ کمال پبلشرز ۲۶ مال روڈ، لاہور،

سوشلزم نے زندگی کی دوسری اقدار کی طرح ادب اور لٹریچر کو بھی خالص مادی قدروں میں محدود کر دیا ہے، اس کے نقطۂ نظر سے صحیح ادب وہی ہو جو انسانوں کی صرف مادی زندگی اور اس کے حیوانی پہلو کا ترجمان ہو، اس کے علاوہ اسکے علمی، ادبی اور اخلاقی پہلو وغیرہ صرف ایوان تعیش کے نقش و نگار ہیں، اس کتاب میں اسی نقطۂ نظر سے ادب کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہو، پہلے انسانی معاشرہ سے اسکا تعلق دکھایا گیا ہے، پھر اردو نظم و نثر کی پیدائش سے لیکر اسوقت تک اس میں مختلف تمدنی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی عوامل کے ماتحت جو تغیرات ہوئے، ان پر اجمالی نگاہ ڈالی گئی ہے، اس سلسلہ میں جستہ جستہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ کے متفرق واقعات، اس کے اثرات و نتائج اور زندگی کے مختلف زاویوں کے متعلق سوشلزم کے نقطہائے نظر بھی آگئے ہیں، ایک باب میں ادب کے اس نظریہ کے بارہ میں لینن کے خیالات پیش کیے گئے ہیں، آخر میں مغربی ادب پر بین الاقوامی، سیاسی و اقتصادی تغیرات کے اثرات دکھائے گئے ہیں، ادب کے متعلق سوشلزم کے نظریہ کے اس جزسے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ ادب کو زندگی کا ترجمان ہونا چاہئے، یہ تو بالکل فطری چیز ہے، لیکن خود زندگی مختلف حیثیتیں اور مختلف پہلو رکھتی ہو، اور ان سب کی اہمیت یکساں ہو، انھیں یک قلم نظر انداز کر کے اشرف المخلوقات کی زندگی کے مقصد اور نصب العین کو محض حیوانی خواہشات اور اسکے مظاہر تک محدود کر دینا انسانیت کی توہین ہے، گو ادب کے متعلق مصنف کے بعض خیالات صحیح ہیں لیکن ان میں کوئی نئی بات نہیں ہو، اور مذہب وغیرہ کے متعلق وہی پرانی عامیانہ باتیں دہرائی گئی ہیں، بعض تاریخی غلطیاں بھی ہیں، "م"

جلد ۶۱ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۸ء عدد ۳

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	

مقالات

تجدید تعلیم	جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی سابق استاذ جامعہ عثمانیہ	۱۶۵-۱۹۱
اسلام کا معاشیاتی نظام	جناب مولوی حیدر زمان صاحب صدیقی،	۱۹۲
اشرف علی فغان	جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب (علیگ)	۲۱۰
فتاوی عالمگیر کے چند اور مولفین	جناب مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین	۲۲۲-۲۲۵

استفسار و جواب

علامہ ابن جریر طبری کی دو کتابیں،	"س"	۲۲۶-

وفیات

ماتم گسار برامکہ کا ماتم،	"س"	
نواب غلام احمد کلامی مدراس	"	

ادبیات

نعت رسول	جناب ابو طاہر مصلح الدین صاحب ڈھاکہ	۲۳۳،
غزل	جناب محمد عزیز صاحب ایم اے لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڈھ،	۲۳۵
مطبوعات جدیدہ	م	۲۳۶-۲۴۰